بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر ظفر احمد☆

السیرۃ النبویۃ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

(توقیتی مطالعہ)

ساتویں قسط

عام الوفود سال ۹ ہجری قمریہ شمسی، ۹، ۱۰ ہجری قمری ۶۳۰، ۶۳۱ عیسوی جیولین

وفود کی آمد

جزیرۃ العرب میں اطراف و جوانب سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفود کی آمد کا سلسلہ اگرچہ فتح مکہ، غزوہ حنین و طائف کے بعد شروع ہو گیا تھا، لیکن غزوہ تبوک کے بعد یہ سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ اس لئے سال ۹ ہجری (قمریہ شمسی) کو عام الوفود (وفود کا سال) کہا جاتا ہے۔ تاہم فتح مکہ سے پہلے، اسی طرح سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۱۰۔۱۱ ہجری قمری بھی بعض وفود کی آمد ہوئی۔ ان وفود کی تعداد ستر سے بھی زائد ہے، صرف چند اہم وفود کا مختصر حال لکھا جاتا ہے۔

۱۔ وفد مزینہ

مشہور صحابی حضرت نعمانؓ بن مقرن کا تعلق اسی قبیلے مزینہ سے تھا جو فتح مکہ کے موقع پر اپنے قبیلے کے علم بردار تھے۔ خلفائے راشدینؓ کے دور میں اصفہان انہی حضرت نعمانؓ بن مقرن نے فتح کیا تھا۔ اس قبیلے کا چار سو افراد پر مشتمل وفد ۵ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا، مدینہ میں آنے والا یہ سب سے پہلا وفد ہے (۱)

☆ سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ایس ای کالج، بہاولپور

۲۔ وفد عبدالقیس

بحرین کے اس قبیلے کا ایک تاجر مقذ بن حبان سامان تجارت لے کر مدینہ آیا اور مسلمان ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خط لے کر اپنی قوم کے پاس گیا۔ ان کا ایک تیرہ یا چودہ رکنی وفد ۴ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۴۔۵ ہجری قمری میں مدینہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ ﷺ کی خدمت میں صرف حرمت والے مہینوں میں ہی آسکتے ہیں، کیونکہ قبائل مُضر ہمیں آپ تک پہنچنے نہیں دیتے۔ اس وفد نے آپ ﷺ سے ایمان اور مشروبات کے متعلق پوچھا۔ آپ ﷺ نے انہیں شراب کے لئے مستعمل برتنوں دبا، حنتم، نقیر اور مزفت کے استعمال سے منع فرمایا۔ وفد کا سردار الاشج العصری تھا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ تمہاری دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں۔ دور اندیشی اور بردباری، دوسری مرتبہ اس قبیلے کا چالیس رکنی وفد عام الوفود میں آیا۔ ان میں علاء بن جارود عبدی بھی تھے جو مذہباً عیسائی تھے۔ مگر انہوں نے اسلام قبول کیا اور ان کا اسلام نہایت عمدہ رہا۔ (۲)

۳۔ وفد بنوسعد

بنوسعد کی طرف سے ضمام بن ثعلبہ آئے تھے بقول واقدی یہ رجب ۵ ہجری (قمری) کا مہینہ تھا۔ حضرت انسؓ بن مالک نے اس کا حال یوں بیان کیا ہے کہ ایک شخص اونٹنی پر سوار آیا اور مسجد کے صحن میں آکر اونٹنی سے اترا۔ پھر لوگوں سے پوچھا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہے؟ لوگوں کے بتانے پر وہ آپ ﷺ کے قریب آکر کہنے لگا کہ میں تم سے کچھ باتیں سختی سے پوچھوں گا مگر ناراض نہ ہونا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو پوچھنا ہے، پوچھو۔ اس نے کہا کہ اپنے خدا کی قسم کھا کر بتاؤ کیا اللہ نے تمہیں تمام دنیا کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں پھر اس نے آپ کو قسم دلا کر پوچھا کہ کیا اللہ نے تمہیں پانچ وقت کی نمازوں کا حکم دیا ہے؟ اسی طرح اس نے زکوٰۃ، روزے اور حج کے متعلق پوچھا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برابر ہاں فرماتے رہے۔ پھر اس نے کہا میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے، مجھے میری قوم نے بھیجا ہے۔ میں اب جا رہا ہوں، جو کچھ تم نے بتایا ہے میں اس سے ایک ذرہ بھی نہ زیادہ کروں گا اور نہ کم''۔ اس کے جانے پر آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر وہ سچ کہتا ہے تو اس نے فلاح (کامیابی) حاصل کر لی''۔

ضمامؓ بن ثعلبہ نے اپنے قبیلے میں جا کر کہا کہ لات وعزیٰ کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ بولے

''دیکھو! کیا کہہ رہے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہیں جنون یا جذام ہو جائے'' ضمام نے کہا ''اللہ کی قسم، یہ بت نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان۔ میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں''۔ ان کی ان باتوں کا قبیلے پر مثبت اثر ہوا اور شام ہونے سے پہلے ہی سب نے اسلام قبول کر لیا۔ (۳)

۴۔ وفد دوس

قبیلہ دوس کے ایک سربراہ حضرت طفیلؓ بن عمرو الدوسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا پھر وہ کئی سالوں تک قوم میں تبلیغ کرتے رہے۔ ناکامی پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ دوس کے لئے بددعا فرمائیں لیکن آپ ﷺ نے فرمایا ''اے اللہ! دوس کو ہدایت دے''۔ آپ کی دعا کہ برکت سے اس قبیلے کے لوگ مسلمان ہو گئے۔ حضرت طفیلؓ نے اس قبیلے کے ستر یا اسی گھرانوں کے ہمراہ سال ۷ ہجری (قمریہ شمسی) میں اس وقت ہجرت کی، جب آپ ﷺ غزوہ خیبر کے لئے تشریف لے جا چکے تھے۔ ان میں مشہور صحابی حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مدینہ پہنچنے کے بعد یہ لوگ خیبر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ (۴)

۵۔ وفد اشعریین

مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا تعلق یمن کے اسی قبیلے اشعر سے تھا۔ اسلام قبول کرنے کے لئے مدینے میں آمد کے خیال سے ان کا ۵۳ رکنی وفد جہاز میں سوار ہو کر چلا۔ انہی میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی تھے، لیکن ان کے جہاز کو بادِ مخالف نے حبشہ میں پہنچا دیا جہاں حضرت جعفر طیارؓ اور ان کے ساتھیوں کے ہمراہ یہ سب لوگ غزوۂ خیبر کے ایام میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خیبر میں جا ملے (۵)۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تمہارے پاس یمن کے لوگ آ رہے ہیں جو نہایت رقیق القلب ہیں۔ دوران سفر اشاعرہ کے وفد کے لوگ اسلام کی محبت میں جوش مسرت سے یہ شعر پڑھ رہے تھے:

غداً نلقی الاحبّہ محمدا و حزبہ

کل ہماری ملاقات احباب سے ہوگی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان لوگوں نے دینی احکام سیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور یہ سوال بھی کیا کہ کائنات کی ابتدا کیسے ہوئی تھی آپ ﷺ نے فرمایا ''پہلے اللہ تھا اور

(اسکے علاوہ) کچھ نہ تھا اور اس کا تخت پانی پر تھا"

۶۔ فروہؓ بن عمرو جذامی کا قاصد

حضرت فروہؓ بن عمرو کا تعلق قبیلہ جذام سے تھا۔ وہ رومی فوج کے ایک حصے کے سالار تھے۔ جنگ موتہ کے بعد اسلام قبول کیا (۶) اور ۹ ہجری (قمریہ شمسی) میں ایک قاصد کے ذریعے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی اور ایک سفید خچر بھی تحفے میں بھیجا۔ رومیوں نے انہیں گرفتار کر کے اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا، لیکن حضرت فروہؓ نے استقامت دکھائی، جس پر رومیوں نے انہیں فلسطین میں عرفاء نامی ایک چشمے پر مصلوب کر کے شہید کر دیا۔

۷۔ وفد صدا:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرہ جعرانہ سے واپسی پر یہ وفد اواخر ۸ ہجری قمریہ شمسی (بمطابق اوائل ۹ ہجری قمری بمطابق جولائی/ اگست ۶۳۰ عیسوی جیولین) میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے اس سے پہلے یمن کی جانب اس قبیلے کے خلاف ایک فوجی مہم روانہ فرمائی تھی۔ اس پر زیادؓ بن حارث مسلمانوں کی فوجی کاروائی سے پہلے ہی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ میں اپنی قوم کا ضامن ہوں۔ ان کی درخواست پر آپ ﷺ نے وادی قناۃ سے ہی اسلامی لشکر کو واپس بلا لیا۔ اس کے بعد حضرت زیادؓ بن حارث کی ترغیب پر قبیلے کا ایک پندرہ رکنی وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ واپسی پر اس وفد نے اپنی قوم میں اسلام کی تبلیغ کی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اس قبیلے کے سو آدمیوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کی۔ (۷)

۸۔ وفد بنی عذرہ:

بارہ رکنی یہ وفد صفر ۹ ہجری قمریہ شمسی (بمطابق رجب ۹ ہجری قمری بمطابق اکتوبر/ نومبر ۶۳۰ عیسوی جیولین) میں آیا۔ ان میں حمزہ بن نعمان بھی تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم قصی کے اخیافی بھائی ہیں اور ہم نے قصی کی تائید میں بنو خزاعہ اور بنو بکر کو مکہ سے نکالا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آمد پر مسرت کا اظہار فرمایا اور انہیں مرحبا کہا۔ آپ ﷺ نے انہیں ملک شام کے مفتوح ہونے کی بشارت دی۔ انہیں کاہنہ عورتوں سے سوال پوچھنے اور مشرکین کے ذبیحوں سے منع فرمایا۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کیا

اور چند دنوں کے بعد واپس ہوئے (۸)

۹۔ وفد بلی

ربیع الاول ۹ ہجری قمریہ شمسی (بمطابق شعبان ۹ ہجری قمری بمطابق نومبر/ دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین) میں آنے والے اس وفد کے سربراہ ابوالصہیب تھے، ان لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ابوالصہیب کے پوچھنے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ ضیافت (مہمان نوازی) میں اجر ہے، کسی غنی یا فقیر کے ساتھ حسن سلوک صدقہ ہے۔ اس کے مزید استفسار پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ مدتِ ضیافت تین دن ہے، پھر ابوالصہیب نے لاپتہ شخص کی گمشدہ بھیڑ بکری کے متعلق شرعی حکم پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ تمہارے یا تمہارے بھائی کے لئے ہے یا پھر بھیڑیے کے لئے ہے''۔ گمشدہ اونٹ کے متعلق سوال پر آپ ﷺ نے فرمایا ''تمہارا اس سے کیا کام؟ اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ اس کا مالک اسے لے جائے''۔ اس وفد نے تین دن قیام کیا۔ (۹)

۱۰۔ وفد بنو اسد

اوائل ۹ ہجری میں آنے والے دس افراد کے اس وفد میں ضرار بن ازور طلیحہ بن خویلد اور وابصہ بن معبد بھی تھے۔ طلیحہ بن خویلد نے بعد میں نبوت کا دعویٰ کیا لیکن پھر اسلام قبول کیا اور اس کا اسلام عمدہ رہا۔ وفد کے لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ یکتا اور لاشریک ہے اور آپؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمارے پاس کسی کو نہیں بھیجا تھا ہم تو خود ہی حاضر خدمت ہو گئے ہیں اس پر سورہ حجرات کی آیت نازل ہوئی کہ یہ لوگ تجھ پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان جتاتے ہیں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان مت جتاؤ بلکہ اللہ نے تم پر یہ احسان فرمایا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی اگر تم سچے ہو۔ اس کے پوچھنے پر آپ ﷺ نے انہیں جانوروں کی بولیوں اور شگونوں سے فال لینے، کہانت و رمل وغیرہ سب سے منع فرمایا (۱۰)

۱۱۔ وفد ثقیف

ذی قعدہ ۸۷ ہجری قمریہ شمسی (بمطابق ربیع الثانی ۹ ہجری قمری بمطابق جولائی/ اگست ۶۳۰ عیسوی جیولین) میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ طائف سے واپس تشریف لائے تو بعض لوگوں نے

ثقیف کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بددعا کی درخواست کی لیکن آپ ﷺ نے ثقیف کے لئے دعا فرمائی ''اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں میرے پاس لے آ'' آپ ﷺ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی اس قبیلے کے ایک سردار حضرت عروہؓ بن مسعود نے اسلام قبول کرلیا۔ وہ اپنی قوم میں ان کی عورتوں اور بچوں سے بھی زیادہ محبوب ومقبول تھے۔ اسی زعم میں انہوں نے صبح کے وقت اپنے بالا خانے پر اذان دی اور خلاف توقع لوگوں نے ہر طرف سے تیر اندازی کر کے انہیں شہید کر دیا۔ بعد ازاں اسلام کی روز افزوں قوت اور غلبے کے پیش نظر انکی سوچ میں تبدیلی آئی اور اپنے سردار عبد یالیل بن عمرو کو پانچ آدمیوں کے ہمراہ مدینے بھیجا۔ ان میں حضرت عثمانؓ بن ابی العاص ثقفی بھی تھے جو وفد میں سب سے کم عمر تھے۔ یہ وفد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے واپسی کے بعد رمضان ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق صفر ۱۰ ہجری قمری بمطابق مئی ۶۳۱ عیسوی جیولین میں آیا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے انہیں دیکھا تو وہ فرط مسرت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کرنے کے لئے دوڑے، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وفد کی اطلاع پہنچانے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان پر سبقت لے گئے۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو مسجد کے ایک کونے میں خیمے میں ٹھہرایا، تاکہ یہ لوگ قرآن کریم سن سکیں اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھ سکیں۔ انہیں اسلام کی دعوت دی گئی تو انہوں نے ایسے معاہدۂ صلح کی درخواست کی جس کی رو سے انہیں زنا، شراب نوشی اور سود خواری کی اجازت ہو۔ انہوں نے کہا کہ زنا ہمارے لئے اس لئے جائز رکھا جائے کہ ہمارے لوگ کاروبار کے سلسلے میں باہر آتے جاتے رہتے ہیں۔ انہیں زنا سے روکا گیا تو تکلیف ہوگی۔ ہمارے لئے سود اس لئے جائز قرار دیا جائے کہ یہ ہمارے تجارتی کاروبار کی بنیاد ہے، اور شراب اس لئے ہم پر حرام نہ کی جائے کہ ہمارے علاقے میں انگور بہ کثرت پیدا ہوتا ہے جس سے شراب بنتی ہے، اور یہی ہماری بڑی تجارت ہے۔ مگر ان کا ایسا کوئی بھی مطالبہ منظور نہ کیا گیا۔ ان کی یہ بھی درخواست تھی کہ نماز، جہاد اور زکوٰۃ سے انہیں مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ نماز کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہ ہو۔ البتہ زکوٰۃ اور جہاد پر انہیں فی الحال مجبور نہ کیا گیا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی صرف صاحب نصاب پر فرض ہے اور وہ بھی سال میں ایک مرتبہ ادا کرنا ہوتی ہے جبکہ جہاد فرض کفایہ ہے، ہر شخص پر ہر حال میں فرض نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ لوگ اسلام قبول کریں گے تو زکوٰۃ بھی دیا کریں گے اور جہاد بھی کریں گے۔ چنانچہ بعد میں آپ ﷺ کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔ ان لوگوں کی یہ درخواست بھی قبول کر لی گئی کہ ہمارے قبیلے سے باہر کا کوئی آدمی ہم پر بطور امیر مسلط نہ کیا

جائے۔ان کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ ہمارے معبود بت لات کو نہ توڑا جائے، کیونکہ اگر ہمارے بت لات کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کا اسے توڑنے کا ارادہ ہے تو وہ سارے شہر کو تباہ کر دے گا۔حضرت عمر فاروقؓ خاموش نہ رہ سکے۔ بولے کہ تم لوگ کس قدر نادان ہو! لات تو صرف ایک پتھر ہے۔ وہ کہنے لگے، عمر! ہم تیرے پاس نہیں آئے ہیں۔ بالآخر انہوں نے یہ شرط رکھی کہ اس بت کو ہم خود اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے۔آپ ﷺ خود اسکا انتظام کریں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ شرط مان لی۔اور لات کو منہدم کرنے کے لئے حضرت ابوسفیانؓ بن حرب اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو بھیجا گیا۔بعض روایات کے مطابق بت شکنی کا یہ فریضہ حضرت خالدؓ بن ولید کے ذمے لگایا گیا جن کے ہمراہ کچھ ساتھی حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سمیت بھیجے گئے، اس کا ذکر گزشتہ قسط کے متعلقہ صفحات میں متعلقہ سرخیے کے تحت ہو چکا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف پر حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو امیر مقرر فرمایا، کیونکہ یہ وفد میں سب سے کم سن ہونے کے باوجود دین سیکھنے کا بہت شوق رکھتے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا تھا کہ انہیں اپنی قوم پر امیر مقرر کیا جائے۔ وفد کے ارکان جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو وہ عثمانؓ بن ابی العاص کو نوعمر سمجھ کر اپنی قیام گاہ پر چھوڑ آتے تھے۔ جب یہ لوگ واپس جا کر قیلولہ (دوپہر کی نیند) کرتے تو حضرت عثمانؓ بن ابی العاص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن کریم اور دینی باتیں سیکھتے۔ اگر آپ ﷺ آرام فرما رہے ہوتے تو وہ اسی مقصد کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے رجوع کرتے تھے۔اس وفد نے واپس جا کر پہلے پہل اپنے اسلام کو چھپایا اور لوگوں سے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ یہ ہے کہ اسلام قبول کرو۔زنا، شراب نوشی اور سود چھوڑ دو ورنہ ہم تم سے سخت جنگ کریں گے۔لوگوں نے کہا ہم یہ کام نہیں کر سکتے ہم جنگ کے لئے تیار ہیں۔دو تین دن تک وہ جنگ کی باتیں کرتے رہے لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔انہوں نے وفد سے درخواست کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہو کر ساری باتیں قبول کر لی جائیں۔اس پر وفد کے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم تو پہلے ہی اسلام قبول کر چکے ہیں اور ہم نے اسلام کو تم سے اس لئے مخفی رکھا کہ تم سے شیطانی نحوت دور ہو جائے۔اس پر ثقیف اسلام کی طرف مائل ہو گئے۔ پھر جب ان کا بت لات توڑا گیا اور ان کے مرد و زن سب کو یقین ہو گیا کہ یہ محض پتھر ہے جو کسی کے نفع و نقصان کا مالک نہیں تو وہ سب اسلام میں داخل ہو گئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر ثقیف کے کچھ لوگوں نے اسلام چھوڑنے کا ارادہ کیا تو ان

کے امیر حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے ان کی سخت سرزنش کی کہ تم سب سے آخر میں اسلام لائے تھے اب سب سے پہلے مرتد ہونے والے نہ بنو۔ اس پر وہ ارتداد سے بچ گئے اور اسلام پر ثابت قدم رہے۔ یوں حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کی امارت ان کے لئے نہایت بابرکت ثابت ہوئی۔ (۱۱)

۱۲۔ وفد بنی فزارہ

دس سے زائد افراد پر مشتمل یہ وفد بھی غزوہ تبوک کے بعد آیا (۱۲) اور اسلام قبول کیا انہوں نے اپنے علاقے میں قحط سالی اور بارش نہ ہونے کی شکایت کی۔ آپؐ نے ان کے لئے بارش کی دعا فرمائی۔ یہ نہایت سرکش اور زور آور قبیلہ تھا۔ عُیینہؓ بن حصن فزاری کا اسی قبیلے سے تعلق تھا

۱۳۔ وفد ہمدان

یہ وفد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے واپسی کے بعد حاضر ہوا تھا (۱۳) وفد میں مالکؓ بن نمط بھی تھے۔ آپؐ نے انہیں ان کی قوم کے مسلمانوں پر امیر مقرر فرمایا اور باقی لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے حضرت خالدؓ بن ولید کو بھیج دیا۔ وہ انہیں لگاتار تبلیغ کرتے رہے لیکن لوگوں کی اکثریت نے اسلام قبول نہ کیا۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو قبیلۂ ہمدان کے نام اپنا خط دے کر تبلیغ کے لئے بھیجا اور حضرت خالدؓ بن ولید کو واپس بلا لیا۔ حضرت علیؓ نے انہیں خط سنایا اور اسلام کی دعوت دی۔ اس پر سب نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو سجدے میں گر گئے پھر سر اٹھا کر فرمایا ''ہمدان پر سلام، ہمدان پر سلام''

۱۴۔ وفد طی

اس وفد کے ہمراہ قبیلہ طی کے ایک مشہور رئیس اور شہسوار زید بھی تھے جنہیں زید الخیل کہا جاتا تھا۔ وہ دور جاہلیت کے نامور خوش جہال شاعر، خطیب، فیاض اور بہادر شخص تھے یہ وفد ۹ ہجری میں آیا تھا (۱۴) ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید الخیل کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھ سے عرب کے جس شخص کی بھی خوبی بیان کی گئی، جب وہ میرے پاس آیا تو میں نے اسے اس کی شہرت سے کمتر ہی پایا۔ البتہ زید الخیل کی شہرت ان کے عمدہ اوصاف تک نہیں پہنچ سکی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام زید الخیل کی بجائے زید الخیرؓ رکھ دیا۔ قبیلہ طی کے دوسرے مشہور رئیس

عدی بن حاتم تھے، جن کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ سال ۹ ہجری قمریہ شمسی کے سرایا میں سریہ علیؓ بن ابی طالب (مہم فلس) کے تحت مذکور ہو چکا ہے۔

۱۵۔ وفد بنو تمیم:

بنو تمیم کے وفد کی آمد کے سلسلے میں تاریخی روایات پر غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دو وفود مختلف اوقات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک وفد سال ۹ ہجری قمریہ شمسی میں سریہ عیینہ بن حصن فزاری میں گرفتار ہونے والے قیدیوں کی رہائی کے لئے آیا تھا۔ اس وفد میں اقرع بن حابس تمیمی بھی تھے۔ قیدیوں کو رملہ بنت حارث کے مکان میں ٹھہرایا گیا تھا، جب بنو تمیم کے رؤسا کا وفد انکے پاس پہنچا تو ان قیدیوں میں عورتیں اور بچے ان کے آگے رونے لگے۔ پھر یہ لوگ جلدی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر آئے اور آپ کو نام لے کر پکارنے لگے۔ ان کی اصلاح اور تربیت کے سلسلے میں سورہ حجرات کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں کہ جو لوگ آپ ﷺ (رسول اللہ) کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے، اگر یہ لوگ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ خود ہی باہر ان کے پاس آتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی درخواست پر ان کے قیدی واپس فرما دیئے۔ ان کے بعد ان کا دوسرا وفد بڑی شان وشوکت سے آیا۔ قبیلے کے اہم رؤسا مثلاً اقرع بن حابس، زبرقان بن بدر، عمرو بن الاھتم، نعیم بن یزید وغیرہ اس میں شامل تھے۔ اس وفد میں عیینہ بن حصن فزاری بھی انکے ہمراہ تھے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں سے خطابت اور شاعری میں مقابلے (مفاخرے) کی خواہش ظاہر کی۔ ان کے خطیب عطارد بن حاجب نے اپنی قوم کی خوبیوں کو نہایت پرزور اور مؤثر تقریر میں اجاگر کیا۔ یہ خطیب اس سے پہلے نوشیروان کے دربار سے حسنِ خطابت پر انعام بھی حاصل کر چکا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر خطیبِ اسلام حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس نے عطارد بن حاجب کی تقریر کا جواب دیا۔ خطابت کا مقابلہ ہو چکا تو شعر وشاعری کی بات ہوئی۔ بنو تمیم کے مشہور شاعر زبرقان بن بدر نے اشعار سنائے جس کے جواب میں اس وقت کے شاعر اسلام حضرت حسانؓ بن ثابت نے برجستہ اشعار سنائے۔ مقابلے کے اختتام پر اقرع بن حابس نے فیصلہ سنایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب اور شاعر دونوں ہی ہمارے خطیب اور شاعر سے بہتر اور افضل ہیں۔ وفد کے سب ارکان نے اسلام قبول کر لیا۔ اقرع بن

حابس اور عیینہ بن حصن الفزاری فتح مکہ، غزوہ حنین اور غزوۂ طائف میں اپنی قوم کے ساتھیوں کے ہمراہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اوطاس وحنین کے غنائم میں ان دونوں کو بھی تالیف قلب کے لئے بھاری غنیمتیں دی گئیں۔ تاریخی روایات میں غور کرنے سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ اگر چہ یہ دونوں حضرات اسلام قبول کر چکے تھے، لیکن تالیف قلب سے پہلے انہیں اسلام میں رسوخ حاصل نہ تھا بلکہ کسی حد تک تذبذب کی حالت میں تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تالیفِ قلب کی برکت سے ان کے دلوں میں اسلام سے بتدریج مزید رغبت پیدا ہوئی اور اسلام قبول کرنے کے ارادے سے آنے والے وفد میں یہ دونوں بھی شامل ہو گئے، کیونکہ وفد کے ارکان نے مذکورہ بالا مفاخرے میں اقرع بن حابس کو اپنا حَکَم (فیصل) مقرر کیا تھا۔ (۱۵)

۱۶۔ وفد نجران

مکہ مکرمہ سے بجانب یمن نجران کے علاقے میں عیسائی آباد تھے جہاں ان کا عظیم الشان کلیسا (گرجا) بھی تھا۔ اس کے مذہبی پیشوا کو سیّد اور عاقب کہا جاتا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی مکتوب پر اس کلیسا کے محافظین کے ہمراہ عیسائیوں کا ساٹھ رکنی وفد مدینہ منورہ پہنچا، انہیں مسجد نبوی میں ٹھہرایا گیا۔ انہوں نے اپنی عبادت کے وقت مسجد میں اپنی نماز پڑھنا چاہی، صحابہ کرامؓ نے انہیں روکا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی۔ انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ وفد میں ابو حارثہ بن علقمہ ان کا اُسقف (لاٹ پادری) تھا۔ عبدالمسیح عاقب (امیر وحاکم) اور اَیْھَمْ یا شُرَحْبِیْل بن وداعہ سیّد (سیاسی وثقافتی امور کا نگران) تھا۔ ان لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی امور پر بحث ہوئی۔ سورہ آل عمران کی ابتدائی آیات اسی کے بارے میں نازل ہوئیں، جن میں عیسائیوں کے غلط اور من گھڑت عقائد الوہیتِ مسیح اور تثلیث وغیرہ کی مدلل تردید ہے، لیکن یہ لوگ ضد اور تعصب پر قائم رہے اگلے روز انہیں سورہ آل عمران کی آیتِ مباہلہ کی رو سے مباہلے کی دعوت دی گئی کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو، ہم اپنے لوگوں کو اور تم اپنے لوگوں کو بلالیں پھر مباہلہ (بددعا) کرتے ہوئے ہم جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ چونکہ دعوتِ مباہلہ میں فریقین کے مردوں، عورتوں اور بچوں کو بڑی تعداد میں شامل ہونا تھا اور ارکانِ وفد کے اہل وعیال مدینہ سے بہت دور نجران میں تھے اس لئے سردست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے نواسوں حضرت حسن اور حضرت حسین

رضی اللہ عنہا اور اپنی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بطور ہراول دستہ ساتھ لے کر مباہلے کے لئے نکلے۔ بعض روایات میں حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کا ساتھ ہونا بھی مذکور ہے، آپ ﷺ کی دیگر صاحبزادیاں ربیع الاول ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق شعبان ۹ ہجری قمری بمطابق نومبر/ دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین تک وفات پا چکی تھیں اور یہ وفد بعد میں آیا تھا۔ عیسائیوں کے عاقب اور سید نے باہم مشورہ کر کے مباہلے سے انکار کر دیا ورنہ کھلے عام سب میں مباہلہ ہوتا، چنانچہ تفسیر روح المعانی اور تفسیر درمنثور میں آیت مباہلہ کی تفسیر کے ضمن میں بمطابق روایت حضرت جعفر صادقؒ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور ان سب کی اولاد کو لے کر گئے تھے۔ اور اگر مباہلہ ہوتا تو ان سب کو اس میں شامل ہونا تھا۔ عیسائیوں نے جزیے کی ادائیگی اور دو ہزار جوڑے کپڑوں پر آپ ﷺ سے صلح کر لی کہ وہ ایک ہزار جوڑے ہر سال ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں دیا کریں گے اور ہر جوڑے کے ساتھ ایک اوقیہ (ایک سو باون گرام) چاندی بھی دیا کریں گے۔ اس کے عوض ان کو جان و مال کی امان اور مکمل مذہبی آزادی دی گئی۔ ان کی درخواست پر آپ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو محاصل کی وصولی پر روانہ فرمایا اور انہیں اس امت کا امین قرار دیا۔ نجران کے عیسائیوں کے لئے جو امان نامہ آپؐ نے لکھوایا اس پر بطور گواہ ابوسفیانؓ بن حرب، غیلانؓ بن عمرو، مالکؓ بن عوف، اقرعؓ بن حابس اور مغیرہؓ بن شعبہ کے دستخط تھے۔ بعد میں غیر مسلموں سے جزیہ اور مسلمانوں سے صدقات کی وصولی کے لئے حضرت علیؓ کو روانہ کیا گیا۔ بنوتمیم کے وفد کی طرح نجران کے وفد کے متعلق بھی روایات باہم مختلف ہیں اس لئے کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ نجران سے عیسائیوں کا وفد دو مرتبہ آیا تھا۔ (۱۶)

۱۷۔ وفد بنوحنیفہ

یہ وفد ۹ ہجری (قمریہ شمسی) میں آیا اس میں مسیلمہ کذاب سمیت سترہ آدمی تھے۔ مسیلمہ بن ثمامہ کذاب مدینہ کے لوگوں میں یہ کہنے لگا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اپنا جانشین بنائیں تو میں بیعت کروں گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطیب حضرت ثابتؓ بن قیس کے ہمراہ اس کے پاس گئے اور اپنے دست مبارک میں موجود کھجور کی چھڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تو اگر مجھ سے یہ چھڑی بھی مانگے گا تو میں تجھے نہیں دوں گا، تو اپنے متعلق اللہ کے مقرر کردہ فیصلے سے آگے نہیں نکل سکتا اور اگر تو نے پیٹھ پھیری تو اللہ تجھے تباہ کر دے گا، اللہ کی قسم! میں تجھے وہی شخص خیال کرتا ہوں جس کے متعلق

مجھے خواب دکھایا گیا ہے اور یہ ثابتؓ بن قیس ہیں جو میری طرف سے تجھے جواب دیں گے''۔

اس کے بعد آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن ہیں جو آپ ﷺ کو ناگوار معلوم ہوئے۔ خواب ہی میں وحی سے معلوم ہوا کہ انہیں پھونک سے اڑا دیں، پھونک مارنے پر وہ اُڑ گئے۔ آپ ﷺ نے اس کی تعبیر یہ بیان فرمائی کہ آپ ﷺ کے بعد دو کذّاب (بدترین جھوٹے) نکلیں گے۔ مسیلمہ نے واپس جا کر نبوت کا دعویٰ کر دیا، لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے وہ رسول اکرم ﷺ کی رسالت کو بھی تسلیم کرتا تھا۔ بہت سے لوگ اس کے ساتھ ہو گئے اور اسے یمامہ کا رحمٰن کہا جانے لگا۔

اس نے ۱۰ ہجری (قمریہ شمسی) میں آپ کو خط لکھا کہ یہ خط مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی جانب ہے۔ امابعد! آدھی زمین ہماری اور آدھی قریش کی ہے مگر قریش انصاف نہیں کرتے اور آپ پر سلام ہو''۔ اسکے جواب میں آپ ﷺ نے حضرت ابیؓ بن کعب سے مسیلمہ کو خط لکھوایا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد نبی کی جانب سے مسیلمہ کذاب کی طرف۔ امابعد! بے شک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور نیک انجام تو پرہیزگاروں کا ہے اور اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ یہ خط حضرت حبیبؓ بن زید لے کر گئے، مسیلمہ کذاب نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دئے۔ مسیلمہ کذاب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں قتل ہوا، اسے اسی وحشیؓ بن حرب نے قتل کیا تھا جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو غزوۂ احد میں شہید کیا تھا۔ دوسرا کذّاب یعنی نبوت کا جھوٹا مدعی اسود عنسی تھا جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف ایک دن پہلے حضرت فیروزؓ نے قتل کیا اور آپ ﷺ نے اس کے قتل کی خبر بذریعہ وحی صحابہ کرامؓ کو دی۔ آپؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اسکے قتل کی باقاعدہ اطلاع لوگوں سے ملی۔ (۱۷)

۱۸۔ وفد بنی عامر بن صعصعہ

اس وفد میں عامر بن طفیل، اربد بن مقیس اور جبار بن سلمٰی شامل تھے۔ یہ سب اپنی قوم کے شیطان صفت رئیس تھے۔ یہ عامر بن طفیل وہی تھا جس نے بئر معونہ پر ستر صحابہ کرامؓ کو شہید کرایا تھا۔ عامر مدینہ پہنچ کر خاندانِ سلول کی ایک عورت کا مہمان ہوا۔ اس نے اپنے ساتھی اربد سے یہ طے کیا تھا کہ جب میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو باتوں میں لگاؤں تو تم موقع پا کر انہیں قتل کر ڈالو۔ عامر نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے کہا کہ تین باتوں میں سے ایک اختیار کرلو۔ وادیوں کے باشندوں پر آپ کی اور شہروں کے باشندوں پر میری حکومت ہو یا مجھے اپنے بعد اپنا جانشین بنادو یا میں غطفان کے سوار لاکر تم سے جنگ کروں گا۔ دریں اثناوہ مذموم ارادے سے گھوم کر آپ ﷺ کے پیچھے پہنچا اور تلوار کا کچھ حصہ میان سے نکالا ہی تھا کہ اس پر دہشت طاری ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کی۔ اسکے بعد عامر اپنی میزبان خاتون کے گھر طاعون کا شکار ہوگیا۔ اس نے شدید مایوسی اور غم سے کہا'' کیا اونٹ کی گلٹی جیسی گلٹی اور وہ بھی بنی فلاں کی ایک عورت کے گھر میں؟ میرے پاس میرا گھوڑا لاؤ'' گھوڑے پر سوار ہوا ہی تھا کہ جہنم رسید ہوا۔ اربد بھی گھوڑے پر جارہا تھا کہ اس پر بجلی گری اور جل مرا۔ (۱۸)

۱۹۔ وفد تجیب

یمن کے قبیلے کندہ کی ایک شاخ کا نام تجیب ہے۔ ۹ ہجری (قمریہ شمسی) میں اس وفد کے تیرہ آدمی اپنی قوم کے صدقات لے کر آئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صدقات اپنی قوم کے فقرا ہی پر تقسیم کردو۔ انہوں نے کہا کہ تقسیم کرنے کے بعد جو صدقات بچ گئے ہیں ہم وہی لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ یہ لوگ قرآن اور دینی باتیں سیکھنے کی بڑی رغبت رکھتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ ان کی مہمان نوازی اور دیکھ بھال کے لئے حضرت بلالؓ کو مقرر فرمایا۔ یہ لوگ جلد واپس ہونا چاہتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ جو برکات و فیوض ہمیں رسول اکرم ﷺ کی صحبت بابرکت سے حاصل ہوئے ہیں ہم اسکی اطلاع اپنی قوم کو جلد سے جلد کرنا چاہتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو عطیات سے نوازا تو انہوں نے کہا کہ ہم ایک نوجوان لڑکے کو اپنے سامان کی حفاظت کے لئے چھوڑ آئے ہیں۔ آپ ﷺ کی خواہش کے مطابق یہ نوجوان بھی حاضرِ خدمت ہوا۔ اس نے کہا، مجھے مال و زر کی نہیں بلکہ دعا کی ضرورت ہے، آپ یہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائے، میری مغفرت کرے اور میرے دل کو غنی بنادے۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اس قبیلے کے لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو انہوں نے اس نوجوان کے متعلق بتایا کہ اس جیسا قناعت پسند شخص انہوں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اگر دنیا بھر کی دولت بھی اس کے سامنے تقسیم ہورہی ہو تو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ (۱۹)

۲۰۔ وفد بنو مرّہ

غزوہ تبوک سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مراجعت کے بعد یہ وفد سال ۹ ہجری (قمریہ شمسی) میں آیا۔ اس تیرہ رکنی وفد کے سردار حارث بن عوف تھے۔ ان لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی قرابت کا اظہار کیا کہ ہم لوئی بن غالب کی اولاد ہیں۔ آپ مسکرائے۔ جاتے وقت ان لوگوں میں سے ہر ایک کو آپ ﷺ نے دس دس اوقیہ اور حارث بن عوف کو بارہ اوقیہ چاندی عنایت فرمائی۔ (۲۰)

۲۱۔ وفد غامد

یمن کے ایک قبیلے غامد کا دس رکنی وفد ۱۰ ہجری (قمریہ شمسی) میں آیا۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام شریعت پر مشتمل انہیں ایک تحریر دی اور دیگر وفود کی طرح انہیں زادِ راہ اور عطیات سے نوازا۔ (۲۱)

۲۲۔ وفد مُحارب

یہ دس رکنی وفد ۱۰ ہجری (قمریہ شمسی) میں آیا۔ حضرت بلال ان کی میزبانی پر مامور تھے۔ ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ظہر سے عصر تک کا پورا وقت دیا۔ ان میں سے ایک شخص کو بہ غور دیکھنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے پہلے بھی تجھے کہیں دیکھا ہے، اس نے اقرار کیا کہ آپ ﷺ نے مجھے مکی دور میں دیکھا تھا اور میں نے بڑی سختی اور ترشروئی سے آپ کی دعوت کو رد کیا تھا، میرے ساتھی تو اپنے آبائی دین پر مر گئے، میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے آپ ﷺ پر ایمان لانے کا موقع میسر ہوا۔ اس قبیلے کے لوگ بڑے تند خو اور بد اخلاق سمجھے جاتے تھے۔ اس نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ میرا یہ پرانا قصور معاف کر دیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسلام ان تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو زمانۂ کفر میں سرزد ہوئے ہوں۔ چند روز قیام کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے۔ (۲۲)

۲۳۔ وفد بنو حارث بن کعب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ بن ولید کو نجران میں اس معزز قبیلے کے پاس ۱۰ ہجری (قمریہ شمسی) میں دعوتِ اسلام کے لئے روانہ فرمایا۔ یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کے حکم پر ان لوگوں کا ایک وفد حضرت خالدؓ بن ولید کے ہمراہ مدینہ آیا۔ وفد میں قیس بن حصن اور یزید بن عبدالمدان وغیرہ شامل تھے۔ یہ لوگ لڑائیوں میں دیگر قبائل پر اکثر غالب رہتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت فرمانے پر انہوں نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ ہم ہمیشہ متفق ہو کر لڑتے تھے اور کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت قیسؓ کو ان پر امیر مقرر فرمایا۔ مدینہ سے یہ وفد اوائل جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق اوائل ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق جنوری/ فروری ۶۳۲ عیسوی جیولین میں واپس ہوا۔ (۲۳)

۲۴۔ وفد کندہ

کندہ یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے جو حضر موت کے علاقے میں حاکم تھا۔ اس زمانے میں اس خاندان کے حاکم اشعثؓ بن قیس تھے۔ یہ لوگ اسلام قبول کر چکے تھے۔ حضرت اشعثؓ کی سربراہی میں ان کا اسّی سواروں کا ایک وفد ۱۰ ہجری میں مدینہ آیا۔ ان لوگوں کے کندھوں پر حیرہ کی ریشمی چادریں تھیں۔ چونکہ ریشم کا استعمال مردوں کے لئے ممنوع ہے اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ پر انہوں نے یہ چادریں فوراً پھاڑ کر زمین پر پھینک دیں۔ (۲۴)

۲۵۔ وفد خولان

دس آدمیوں پر مشتمل یہ وفد شعبان ۱۰ ہجری قمری بمطابق نومبر ۶۳۱ عیسوی (جیولین) میں آیا اور اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے ان سے ان کے بت ''عم انس'' کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اب صرف چند بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں ہی اس کی پوجا کر رہی ہیں ہم واپسی پر اسے توڑ ڈالیں گے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر انہوں نے اپنے زمانۂ کفر کا واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ ہم نے سو بیل جمع کر کے عم انس کے لئے ذبح کئے اور یہ سب درندوں کے لئے چھوڑ دیئے گئے، حالانکہ ان دنوں ہمیں جانوروں اور گوشت کی شدید ضرورت تھی۔ (۲۵)

۲۶۔ وفد نخع

یمن کے قبیلے نخع کا دو سو آدمیوں پر مشتمل ایک وفد نصف محرم ۱۱ ہجری قمری بمطابق اپریل ۶۳۲ عیسوی جیولین میں مدینے میں آیا۔ یہ آخری وفد تھا یہ لوگ حضرت معاذؓ بن جبل کی تعلیم سے مسلمان

ہوئے تھے۔ان میں سے ایک شخص زرارہ بن عمرو نے اپنے چار خوابوں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر پوچھی۔ پہلا خواب یہ تھا کہ ایک بکری نے سفید و سیاہ رنگ کا چتکبرا بچہ دیا ہے۔آپؐ نے تعبیر میں فرمایا کہ تمہارے گھر لڑکا پیدا ہوگا۔اس کے پوچھنے پر آپؐ نے ابلق (چتکبرے) کا یہ مطلب بتایا کہ تمہارے جسم پر برص کے داغ ہیں جنھیں تم چھپاتے ہو، بچے پر اسی کا اثر ہے۔دوسرا خواب اس نے بتایا کہ میں نے نعمان بن منذر کو دیکھا ہے کہ وہ بازو بند اور خلخال پہنے ہوئے ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا، اس سے ملک عرب مراد ہے جو آسائش و آرائش حاصل کر رہا ہے۔اس کا تیسرا خواب یہ تھا کہ ایک بڑھیا زمین سے نکلی ہے جس کے کچھ بال سفید اور کچھ سیاہ ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا، یہ دنیا ہے جس قدر باقی رہ گئی ہے۔ اس کا چوتھا خواب یہ تھا کہ زمین سے ایک آگ ظاہر ہوئی جو میرے اور میرے بیٹے کے درمیان آگئی وہ آگ کہتی ہے، ''جھلسو، جھلسو، بینا ہو کر اندھے بنو، لوگو! اپنی غذا اپنا مال اور اپنا کنبہ مجھے کھانے کو دو''۔ آپ ﷺ نے اس کی تعبیر میں فرمایا کہ یہ ایک فتنہ ہے۔اس کے پوچھنے پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس فتنے میں لوگ اپنے امام کو قتل کریں گے، باہم اختلاف ہوگا، لوگ آپس میں اس طرح الجھیں گے جیسے ہاتھ کی انگلیاں باہم گتھ جاتی ہیں۔ان دنوں بدکار اپنے کو نیکوکار سمجھے گا، مومن کا خون پانی سے زیادہ خوشگوار سمجھا جائے گا۔اگر تیرا بیٹا مر گیا تو تو اس فتنے کو دیکھے گا۔اگر تو مر گیا تو تیرا بیٹا اس فتنے کو پائے گا۔اس نے عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس فتنے سے پہلے ہی موت دیدے۔زرارہ کا انتقال ہو گیا مگر اس کا بیٹا زندہ رہا جس نے حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی تھی۔امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ اسی فتنے میں شہید ہوئے تھے۔(۲۶)

اسی طرح اہل سیر نے بہرا، سلاماں، ہذیم، بنی عبس، بنی عیش، بنی منتفق، شاہان حمیر کی طرف سے وفود اور ان کے علاوہ بھی بعض وفود کا ذکر کیا ہے۔

سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی، ۱۰۔۱۱ ہجری قمری، ۶۳۱۔۶۳۲ عیسوی جیولین

(۱) سریہ خالدؓ بن ولید بجانبِ یمن

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سریہ ربیع الاول ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رمضان ۱۰ ہجری قمری بمطابق دسمبر ۶۳۱ عیسوی جیولین میں یمن میں بنوعبدالمدان کی جانب دعوت اسلام کے لئے حضرت

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر امارت روانہ فرمایا۔ بنو عبدالمدان کا یہ قبیلہ بنو حارث بن کعب کی ایک شاخ تھا۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے ایک خط کے ذریعے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے مسلمان ہونے کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے جواب میں انہیں لکھا کہ ان لوگوں کا ایک وفد لے کر مدینے پہنچو۔ چنانچہ حضرت خالدؓ انکے ایک وفد کے ہمراہ مدینے آئے۔ اس وفد کے لوگ اوائل جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق اوائل ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق فروری ۶۳۲ عیسوی جیولین میں اپنی قوم کے پاس واپس چلے گئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کی وہاں سے واپسی کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ بن حزم کو روانہ فرمایا، تاکہ وہ ان نومسلموں کو دین کی تعلیم دیں اور ان سے صدقات وصول کریں۔ مزید وضاحت توقیتی مباحث میں پیش کی جائے گی۔

(۲) سریہ علیؓ بن ابی طالب بجانب یمن

یہ سریہ بھی حضرت خالدؓ بن ولید کے مذکورہ سریے کے جلد بعد اسی مہینے ربیع الاول ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رمضان ۱۰ ہجری قمری بمطابق دسمبر ۶۳۱ عیسوی جیولین میں یمن بھیجا گیا۔ اس کا مقصد بھی لوگوں کو دعوتِ اسلام دینا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ تھا کہ اگر جنگ کی نوبت آپہنچے تو دونوں سرایا کی جنگی کمان حضرت علیؓ سنبھالیں گے۔ حضرت علی نے اپنے ساتھیوں کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے اطراف و جوانب میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا۔ ان لوگوں نے پہلے پہل اسلام قبول نہ کیا، اس لئے ان سے جنگ ہوئی، جس میں مسلمانوں کو بہت سے اونٹ اور بکریاں مال غنیمت میں حاصل ہوئیں۔ عورتیں اور بچے بھی پکڑے گئے۔ مال غنیمت سے خُمس (پانچوں حصہ) نکال کر باقی مال مجاہدین میں تقسیم کردیا گیا۔ بالآخر یہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ دریں اثنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہو چکے تھے۔ حضرت علیؓ بھی یمن سے مکہ مکرمہ پہنچ کر حج میں شریک ہوئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت علیؓ کے مذکورہ بالا سرایا کا ایک ہی مہینہ ہے، لیکن دو توقیمی التباس کی بنا پر سریہ خالدؓ بن ولید کو اہل سیر نے کئی ماہ مقدم اور سریہ علیؓ بن ابی طالب کو کئی ماہ مؤخر کردیا۔ اسکی وضاحت انشاءاللہ توقیتی مباحث میں ہوگی۔

۳۔ معاذؓ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی یمن کی جانب روانگی

ان دونوں حضرات کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے پہلے یمن کے دو مختلف علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لئے روانہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو تاکید فرمائی کہ تم دونوں (دین کے معاملے میں لوگوں کو) آسانی میں رکھو اور تنگی میں نہ ڈالو۔ (دین کے متعلق لوگوں کو) بشارت دو (اور غلط رویہ اختیار کر کے دین کے متعلق لوگوں میں) اجنبیت، گریز اور نفرت پیدا نہ کرو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو تھوڑی دور تک آپ ﷺ ان کے ساتھ گئے اور کئی نصیحتیں فرمائیں۔ حضرت معاذؓ سوار تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے، جب نصیحتوں سے فارغ ہوئے تو حضرت معاذؓ سے فرمایا ''اے معاذ! شاید تم مجھ سے اس سال کے بعد ملاقات نہ کر سکو اور شاید تم میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو'' حضرت معاذؓ آپؐ سے جدائی کے خوف سے رونے لگے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ انور مدینہ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھ سے قریب تر پرہیزگار لوگ ہیں جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔

(۴) حجۃ الوداع

اوائل جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق اوائل ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق فروری ۶۳۲ عیسوی جیولین تک اسلام پورے جزیرہ نمائے عرب میں پھیل چکا تھا، اور یہ سب علاقہ اب مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کی حدود میں شامل تھا۔ اگلا مہینہ حج کا آ رہا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا اور آپ ﷺ کی خواہش پر حج میں شریک ہونے کے لئے اطراف و جوانب سے بھی مسلمان جمع ہونا شروع ہو گئے۔ آپ ﷺ مدینہ منورہ سے ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق ۲۲ فروری ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز ہفتہ ظہر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے۔ تمام ازواج مطہراتؓ بھی ہمراہ تھیں۔ روانگی سے پہلے آپ ﷺ نے بالوں کو تیل لگایا اور انہیں کنگھی سے سنوارا، تہبند پہنا اور چادر اوڑھی۔ اپنے قربانی کے جانور ساتھ لئے اور انہیں قلادہ پہنایا۔

عصر سے پہلے ذوالحلیفہ پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے حالت سفر میں ہونے کی وجہ سے عصر کی دو رکعت نماز ادا فرمائی اور رات وہیں بسر کی۔ ذوالحلیفہ مدینے سے کوئی چھ میل کے فاصلے پر واقع اہل مدینہ کی میقات ہے۔ میقات اس مقام کو کہتے ہیں جہاں سے حج اور عمرے کے لئے احرام باندھا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں حج قمریہ شمسی تقویم کے ذی الحجہ میں ہوا کرتا تھا اور ایام حج میں عمرہ کرنے کو نہایت سنگین

اور آخری حد تک بدترین گناہ تصور کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو زمانۂ جاہلیت کے اس خود ساختہ اور من گھڑت تصور کا ابطال مقصود تھا، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''رات میرے رب کی طرف سے ایک آنے والے نے آکر کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کہو کہ حج میں عمرہ ہے''۔ ظہر کے وقت نماز سے پہلے آپ ﷺ نے غسل فرمایا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپ کے سر مبارک اور جسم اطہر کو خوشبو لگائی جس میں مُشک کی آمیزش تھی۔ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد آپ ﷺ نے وہیں عمرے اور حج دونوں کا احرام باندھا اور بلند آواز سے تلبیہ کے یہ کلمات پڑھے **لبیک اللھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک، انّ الحمد و النعمۃلک و الملک لا شریک لک**۔ ''میں بار بار حاضر ہوں، اے اللہ! میں بار بار حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں بار بار حاضر ہوں، بے شک سب تعریف، سب نعمتیں اور سب حکومت تیرے ہی لئے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں''۔ بروایت حضرت جابرؓ جہاں تک نظر جاتی تھی چاروں طرف انسانوں کا ایک جم غفیر تھا اور تلبیے کے مذکورہ کلمات سے میدان اور پہاڑ گونج اٹھے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے باہر تشریف لاکر اپنی قصوا نامی اونٹنی پر سوار ہوئے اور کھلے میدان میں پھر صدائے لبیک بلند فرمائی۔ فتح مکہ کے موقع پر راستے میں جن منازل میں آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی لوگوں نے ازراہ تبرک وہاں مساجد بنالی تھیں۔ اس سفر میں آپ ﷺ ان مساجد میں نماز ادا کرتے جاتے تھے۔ نو دن کے سفر کے بعد جب آپ رات کے قریب مکے سے نزدیک ذی طویٰ میں پہنچے تو رات وہیں قیام فرمایا۔ اگلے روز فجر کی نماز کے بعد غسل فرمایا۔ پھر اسی روز بلحاظ مکی رویت ہلال ۵ جمادی الاخریٰ ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۵ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق یکم مارچ ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز سوموار آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے مدنی رویت ہلال کے اعتبار سے یہ چار تاریخ تھی۔ مدینے سے مکہ تک کا یہ سفر دسویں دن مکمل ہوا جبکہ ۲۵ ذی قعدہ روانگی کے دن کو بھی شمار کیا جائے۔

مسجد حرام پہنچ کر آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کا طواف فرمایا۔ طواف سے فارغ ہوکر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی اور یہ آیت تلاوت فرمائی **واتخذوا من مقام ابراھیم مُصلّٰی** یعنی مقام ابراہیمؑ کو اپنی جائے نماز بناؤ۔ صفا پہنچے پر یہ آیت پڑھی **ان الصفا و المروۃ من شعائر اللہ** یعنی صفا اور مروہ بلا شبہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ وہاں سے خانہ کعبہ پر نظر پڑی تو یہ کلمات ادا فرمائے **لآ الٰہ الّا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد یُحیی و یُمیت وھو علیٰ کلّ شیء قدیر لا الٰہ**

الاّ اللہ وحدہ انجز وعدہ و نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لئے سب تعریف ہے وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے اس نے (اپنے پیغمبر اور مسلمانوں سے اسلام کو غالب کرنے کا) اپنا وعدہ پورا فرمایا اور اس نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد فرمائی اور اس نے (دشمنانِ اسلام کی) جماعتوں کو اکیلے ہی شکست دی''۔ مروہ پہنچے تو یہاں بھی دعا وتہلیل (لا الہ الا اللہ) کے کلمات کہے۔ صفا اور مروہ کی سعی سے فارغ ہوئے تو بھی آپ ﷺ نے احرام نہ کھولا، کیونکہ آپ ہدی (قربانی کے جانور) مدینے ہی سے اپنے ساتھ لائے تھے، لیکن آپ ﷺ نے اپنے ان اصحاب کو احرام کھول دینے کی ہدایت فرمائی جو اپنے ساتھ قربانی کے جانور نہیں لائے تھے۔ صحابہ کرامؓ کو یہ امر ناگوار گزرا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو حالتِ احرام میں رہیں اور ہم احرام کھول کر حلال ہو جائیں۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت حسرت سے فرمایا کہ جس بات کا مجھے اب احساس ہوا ہے، پہلے سے اس کا علم ہو جاتا تو میں ہدی (قربانی کے جانور) لے کر نہ آتا اور اگر میرے پاس ہدی نہ ہوتی تو میں بھی (احرام کھول کر) حلال ہو جاتا۔

حضرت علی حجۃ الوداع سے کچھ پہلے یمن گئے ہوئے تھے اور وہیں سے یمنی حاجیوں کے قافلے کے ہمراہ مکے میں حج میں شامل ہوئے۔ ان کے ساتھ بھی قربانی کے جانور تھے، اس لئے انہوں نے بھی احرام نہیں کھولا، تاہم جن صحابہ کرامؓ کے پاس ہدی نہ تھی، انہوں نے اپنی مرضی کو پامال کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت میں احرام کھول دیا۔ یوم ترویہ یعنی (بلحاظ مکی رویت ہلال) ۸ جمادی الاخریٰ ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق ۵ مارچ ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز جمعرات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ تشریف لے گئے اور وہاں اگلے دن کی صبح تک قیام فرمایا۔ ظہر سے فجر تک کی نمازیں یہیں ادا کیں۔ سورج کے طلوع ہونے کے بعد آپ ﷺ نے عرفات کا قصد کیا وہاں وادی نمرہ میں آپ ﷺ نے ایک خیمے میں قیام فرمایا، جب سورج ڈھلا تو آپ ﷺ کے حکم سے قصواء پر کجاوہ کسا گیا اور آپ ﷺ اس میں سوار ہو کر میدان میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ کے اردگرد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار کے قریب مجمع تھا۔ مکی رویت ہلال کے اعتبار سے یہ یوم عرفہ یعنی ۹ جمادی الاخریٰ ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق ۶ مارچ ۶۳۲ عیسوی جیولین کی تاریخ تھی۔ دن جمعۃ المبارک تھا۔ آپؐ نے اپنی ناقہ قصواء پر ہی سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد نہایت عظیم الشان

خطبہ ارشاد فرمایا (۲۷)

(الف) ایھا الناس خذوا مناسککم فانّی لا ادری لعلّی لا احجّ بعد عامی ھذا (۲۸)

(ب) انّ دماء کم و اموالکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا ، الا کل شیئ من امر الجاھلیۃ موضوع تحت قدمی و دماء الجاھلیۃ موضوعۃ، و انّ اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربیعۃ بن الحارث، وکان مسترضعاً فی بنی سعد فقتلہ ھذیل، و ربا الجاھلیۃ موضوع و اول ربا اضع ربانا ربا العباس بن عبد المطلب فانہ موضوع کلّہ ، و اتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذ تموھنّ بامانۃ اللہ و استحللتم فروجھن بکلمۃ اللہ، ولکم علیھن ان لایؤطنّ فرشکم احد تکرھونہ، فان فعلن ذالک فاضربوھن ضربا غیر مبرح، ولھن علیکم رزقھنّ و کسوتھنّ بالمعروف، و قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدی ان تمسّکتم بہ کتاب اللہ (۲۹)

(ج) ایھا الناس انّ اللہ اعطی کل ذی حق حقہ و انّہ لایجوز و صیۃ لوارث ، والولد للفراش و للعاھر الحجر ، و من ادّعیٰ الیٰ غیر ابیہ او تولیٰ غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ و الملٰئکۃ و النّاس اجمعین، لا یقبل اللہ لہ صرفا ولا عدلا (۳۰)

(د) وانتم تُسئلون عنی فما انتم قائلون ، قالوا نشھد انک قد بلّغت و ادیت و نصحت فقال باصبعہ السبابۃ یرفعھا الی السّمآء وینکتھا علی النّاس ، اللھم اشھد ، اللھم اشھد ، اللھم اشھد (۳۱)

(الف) اے لوگو! تم مجھ سے مناسکِ حج سیکھ لو کیونکہ مجھے نہیں معلوم، شاید میں اپنے اس (رواں) سال کے بعد حج نہ کرسکوں (اور اس دارفانی سے کوچ کر جاؤں)

(ب) بے شک تمہارے خون اور تمہارے اموال تم پر باہم ایسے حرمت والے ہیں جیسے تمہارے اس دن، تمہارے اس مہینے اور تمہارے اس شہر کی حرمت ہے (۳۲) خبردار! دور جاہلیت کے تمام (غلط) کام میرے پاؤں کے نیچے (ہمیشہ کے لئے) منسوخ ہیں۔ اور جاہلیت (کے تمام) خون ختم کئے جاتے ہیں (ان کا انتقام نہیں لیا جائے گا) اور ہمارے (خاندان کے) خونوں میں سے سب سے پہلا خون جو میں کالعدم کر رہا ہوں وہ ابن ربیعہ بن الحارث کا خون ہے وہ بنوسعد میں شیر خوارگی کا زمانہ گزار رہا

تھا کہ (قبیلہ) ھذیل نے اسے قتل کر ڈالا۔ اور جاہلیت کے تمام سود منسوخ ہیں اور ہمارے خاندان کے سودوں میں سے سب سے پہلا سود جو میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے جو سارے کا سارا ختم کر دیا گیا ہے۔ اور عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو بے شک تم نے انہیں اللہ (کی طرف) سے بطور امانت لیا ہے اور تم نے ان کے ستر کو اللہ کے کلام (حکم) سے (اپنے لئے) حلال کیا ہے۔ ان (عورتوں) کے ذمے تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے بستروں کو کوئی ایسا شخص پامال نہ کرے جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ پھر اگر وہ (خواتین) ایسا کریں تو (شدید مجبوری کے تحت) انہیں ایسی (معمولی سی) ضرب لگاؤ جس کا اثر (جسم پر) ظاہر نہ ہو۔ اور تمہارے ذمے ان (خواتین) کا حسب دستور نان نفقہ اور لباس ہے اور بے شک میں تمہارے اندر ایک ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو تو تم ہرگز گمراہ نہیں ہو گے (وہ چیز) اللہ کی کتاب (قرآن کریم) ہے

(ج) اے لوگو! بے شک اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے اور بے شک (اب) کسی وارث کے لئے (دیگر ورثا کی رضامندی کے بغیر) وصیت جائز نہیں ہے (کیونکہ وراثت میں اس کا جو حصہ اللہ نے مقرر فرما دیا ہے وہ اصل میں اب اسی کا حق دار ہے)۔ اولاد بچھونے والے (یعنی خاوند) کی (متصور) ہوگی اور زناکار کے لئے پتھر ہے (اس پر حد زنا جاری ہوگی) اور جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور (کی طرف اپنی ولدیت کا) دعویٰ کرے یا کوئی غلام اپنے (اصل) آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف (اپنی غلامی کی) نسبت کرے تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ اس سے نہ کوئی فرض (عبادت) قبول کرے گا اور نہ ہی نفل۔ (۳۳)

(د) اور تم سے میرے متعلق (قیامت کے دن) پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ لوگوں نے کہا ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ بلاشبہ آپؐ نے تبلیغ کر دی، (پیغام رسی کا) حق ادا کر دیا اور نصیحت کر دی'' آپؐ نے اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور پھر لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا ''اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا''۔

اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا** '' آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو بطور دین کے تمہارے لئے پسند کر لیا''۔ حضرت عمر فاروقؓ اس آیت کو سن کر رو پڑے لوگوں کے پوچھنے پر فرمایا کہ ہر کمال کے بعد زوال ہی تو ہے۔ خطبے کے بعد حضرت بلالؓ نے اذان و

اقامت کہی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ حضرت بلالؓ نے پھر اقامت کہی اور آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی اور نماز (نوافل وغیرہ) نہیں پڑھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ موقف (جائے وقوف) تشریف لے گئے۔ اپنی اونٹنی قصواء کا شکم چٹانوں کی جانب کیا اور جبل مُشاۃ (پیدل چلنے والوں کی راہ میں واقع چٹانی تودے) کے سامنے قبلہ رخ کھڑے ہو کر اسی حالت میں وقوف فرمایا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھایا اور مزدلفہ تشریف لے گئے۔ وہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامت سے اکٹھی پڑھیں، درمیان میں نوافل نہیں پڑھے۔ اس کے بعد طلوع فجر تک آپ ﷺ وہی لیٹے رہے۔ اسی ایک رات آپ ﷺ نے تہجد کی نماز ادا نہیں فرمائی۔ فجر کا وقت ہوتے ہی اذان و اقامت کے ساتھ فجر کی نماز باجماعت پڑھی اور اپنی ناقہ پر سوار ہو کر مشعر حرام تشریف لائے۔ وہاں تکبیر و تہلیل کے کلمات کہے۔ جب صبح کی روشنی خوب نمودار ہو گئی تو سورج نکلنے سے پہلے ہی حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو پیچھے بٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ کا رخ فرمایا۔ بطن محسر کی جگہ سے تیزی سے گزرے اور پھر منیٰ میں جمرۂ کبریٰ پر پہنچ گئے اسے جمرہ اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ راستے میں آپ ﷺ کے اردگرد لوگ مسائل حج دریافت کرتے رہے اور آپ و بآوازِ بلند انہیں مناسک حج کی تعلیم دیتے رہے۔ جمرہ عقبہ کو آپ نے ہر مرتبہ تکبیر کہتے ہوئے سات چھوٹی کنکریاں ماریں جو چٹکی میں آسکتی تھیں۔ آپ ﷺ نے وہاں لوگوں سے فرمایا کہ (دین میں) غلو سے بچو، گزشتہ اقوام اسی غلو سے تباہ ہوئیں، اور یہ بھی فرمایا کہ مجھ سے حج کے احکام و طریقے (مناسکِ حج) سیکھ لو شاید اپنے اس سال کے بعد میں حج نہ کر سکوں (اور دنیا سے کوچ کر جاؤں)

پھر منیٰ کے میدان میں آپؐ نے اپنے اردگرد عظیم الشان مجمع سے خطاب فرمایا۔ یہ خطبہ غالباً طواف افاضہ سے پہلے ہوا۔ حضرت علیؓ آپ ﷺ کے ارشادات لوگوں کو سنا رہے تھے۔ یہ یوم النحر (قربانی کا دن) تھا۔ آج کے دن آپ ﷺ نے عربوں کی نسی والی قمریہ شمسی تقویم کو ہمیشہ کے لئے منسوخ فرما دیا۔ خالص قمری تقویم کے اعتبار سے تاریخ ۱۰ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق ۷ مارچ ۶۳۲ عیسوی جیولین تھی اور دن ہفتہ تھا۔ اس روز آپ ﷺ کا خطبہ نہایت طویل تھا (۳۴) اس میں آپؐ نے بہت سی باتیں گزشتہ کل یعنی یوم عرفہ کے خطبے والی دہرائیں اور مزید بہت سی نئی ہدایات سے بھی لوگوں کو نوازا۔

(الف) ایھا الناس ! الا ان ربکم و احد و انّ اباکم واحد ،الا لا فضل لعربی

علیٰ عجمی ولا لعجمی علیٰ عربی ولا لاحمر علیٰ اسود ولا لاسود علیٰ احمر الّا بالتقویٰ (۳۵)

(ب) قال اتدرون ایّ یوم هذا ؟ قلنا الله ورسوله اعلم ، فسکت حتیٰ ظننّا انّه سیُسمّیه بغیر اسمه، قال . الیس هذا یوم النحر ؟ قلنا بلیٰ ! قال ایّ شهر هذا ؟ قلنا الله ورسوله اعلم ، فسکت حتیٰ ظننا انّه سَیُسمّیه بغیر اسمه ،قال . الیس هذا ذو الحجة ؟ قلنا بلیٰ ! قال ایّ بلد هذا ؟ قلنا الله ورسوله اعلم ، فسکت حتیٰ ظننا انه سیُسمّیه بغیر اسمه ، قال الیس هذا بالبلدة الحرام ؟ قلنا بلٰی ! قال فانّ دمائکم و اموالکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی شهر کم هذا فی بلدکم هذا الی یوم تلقون ربکم (۳۶)

(ج) وسأُ خبرکم من المسلم ؟ . المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده، المؤمن من امنه الناس علیٰ اموالهم و انفسهم ،و المهاجر من هجر الخطایا و الذنوب، والمجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله (۳۷)

(د) و المومن حرام علی المؤ من کحرمة هذا الیوم ، لحمه علیه حرام ان یأکله بالغیب ویغتابه و عرضه علیه حرام ان یخرقه و وجهه علیه حرام ان یلطمه و اذاه علیه حرام ان یوذیه و علیه حرام ان یدفعه دفعا یتعته (۳۸)

(ه) امک و اباک و اختک و اخاک ثم ادناک ادناک (۳۹/۱)

(و) ارقائکم ارقائکم ، اطعموهم مما تأکلون و اکسوهم مما تلبسون، و ان جاؤا بذنب لاتریدون ان تغفروه فبیعوا عباد الله ولا تعذبوهم (۳۹/۲)

(ز) ان امرّ علیکم عبد مجدع اسود یقودکم بکتاب الله فاسمعوا له و اطیعوا (۴۰)

(ح) فلا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض (۴۱)

(ط) لاتشرکوا بالله شیأ ولا تقتلوا النفس الّتی حرّم الله الا بالحق، ولا تزنوا ولا تسرقوا (۴۲)

(ی) الا و انّ کل ربا من ربا الجاهلیة یُوضع ، لکم رؤس اموالکم لا تظلمون

ولا تظلمون (۴۳)

(ک) لا تنفقنّ امرأة من بيتها الّا باذن زوجها، العارية موادة و المنحة مردودة ، والدين مقضى و الزعيم غارم (۴۴)

(ل) اعبدوا ربكم وصلّوا خمسكم و صوموا اشهر كم و اطيعوا اذا اُمركم تدخلون جنة ربكم (۴۵)

(م) الا كل نبىّ مضت دعوته الّا دعوتى ادّخر تها الىٰ يوم القيامة، اما بعد فان الانبياء مكاثرونى فلا تخزونى، فانّى جالس لكم علىٰ باب الحوض لاتألوا على الله فانّ من تالى على الله كذبه الله (۴۶)

(ن) الا لا يجنى جان الاّ علىٰ نفسه ، الا لايجنى جان علىٰ ولده ولا مولود علىٰ والده (۴۷)

(س) ثلاث لايغل عليهن يعنى قلب المومن، اخلاص العمل لله و النصيحة لولدة المسلمين ولزومهم جماعتهم، فان دعوتهم تحيط من ورائهم (۴۸)

(ع) فذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم المسيح الدجال فاطنب فى ذكره ثم قال مابعث الله نبيّاً ، الّا قد انذره امّته (۴۹)

(ف) الا انّ الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السمٰوات و الارض ، السنة اثنا عشر شهرا منها اربعة حرم ، ثلاثة متواليات ذو القعدة و ذوالحجة و المحرم و رجب مُضر الّذى بين جُمادىٰ و شعبان (۴۹/۲)

(ص) الاوان الحج فى ذى الحجة الىٰ يوم القيامة (۵۰)

(ق) الاانّى فرطكم على الحوض و اكاثربكم الامم فلا تسوّدوا وجهى الا و انّى ستنقذ انا سا و مُستنقذٌ منّى اناس فاقول ياربّ اصحابى فيقول انک لاتدرى ما احدثوا بعدک (۵۱)

(ر) الا هل بلغت؟ قالوا نعم، قال اللهم اشهد فليبلغ الشاهد الغائب فرب مبلغ اولىٰ من سامع (۵۱/اے)

ترجمہ :(الف) اے لوگو! سنو، بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ (آدمؑ) ایک

ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر پرہیزگاری کی بنا پر (کہ جو جتنا زیادہ متقی ہے وہ اتنا ہی اللہ کے نزدیک دوسروں سے افضل و برتر ہے)

(ب) دوران خطبہ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو یہ کونسا دن ہے (راوی صحابیؓ کہتے ہیں) ہم نے کہا اللہ اور اسکے رسول کو ہی زیادہ علم ہے۔ اس پر آپ ﷺ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے (پھر) آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ یوم النحر (قربانی کا دن) نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں (پھر) آپ ﷺ نے پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اسکے رسول کو ہی زیادہ علم ہے تو (اس جواب پر) آپ ﷺ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس (مہینے) کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں (بے شک یہ ذی الحجہ ہی ہے) آپ ﷺ نے (پھر) پوچھا یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ (اس جواب پر بھی) آپ ﷺ خاموش ہو گئے، یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ ﷺ اس (شہر) کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ (پھر) آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ حرمت والا شہر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں (ایسا ہی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ بلا شبہ تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر (باہم) ایسے ہی حرام ہیں جس طرح تمہارے اس دن کو تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں اس دن تک کے لئے حرمت حاصل ہے، جس دن تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے۔

(ج) اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مسلمان کون ہے، مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے (دوسرے) مسلمان سلامتی میں رہیں، مومن وہ ہے کہ جس سے لوگ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کو مامون (محفوظ) سمجھیں، اور (اصلی) مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑ دے، اور مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس کیخلاف جہاد کرے۔

(د) اور مومن دوسرے مومن پر آج کے دن کی حرمت کی طرح حرام ہے۔ اس کا گوشت اس پر حرام ہے (یہ روا نہیں) کہ وہ پیٹھ پیچھے اس کا گوشت کھائے اور غیبت کرے۔ اس کی عزت اس پر حرام ہے (یہ روا نہیں) کہ وہ اس کی عزت (کا دامن) چاک کرے اور اس کا چہرہ اس پر حرام ہے (یہ روا نہیں) کہ وہ اس پر طمانچہ رسید کرے اور اسے تکلیف پہنچانا اس پر حرام ہے (یہ روا نہیں) کہ وہ اسے دکھ پہنچائے اور اس پر حرام ہے کہ وہ اسے تکلیف رسانی کے لئے (اپنے سے دور) دھکیل دے۔

(ھ) اپنی ماں کا اور اپنے باپ کا، اپنی بہن کا اور اپنے بھائی کا پھر جو (رشتے کے لحاظ سے) قریب تر ہے۔ (پھر جو) قریب تر ہے (ان سب کے حقوق کا خیال رکھو اور ان سے حسن سلوک سے پیش آؤ)

(و) تمہارے غلام، تمہارے غلام (ان کا خیال رکھو) جو تم خود کھاتے ہو اسی میں سے تم انہیں (بھی) کھلاؤ اور جو تم خود پہنتے ہو اسی میں سے تم انہیں (بھی) پہناؤ، اور اگر ان سے قصور سرزد ہو اور تمہارا ارادہ انہیں معاف کرنے کا نہ ہو تو اللہ کے (ان بے بس) بندوں کو (آگے) فروخت کر دو (تاکہ تمہارے غیظ وغضب سے وہ محفوظ رہیں) اور انہیں تکلیف نہ پہنچاؤ۔

(ز) اگر تمہارے اوپر نک کٹا سیاہ حبشی حاکم بنا دیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری رہنمائی کرتا ہو تو اس کی بات سنو اور اسکی فرمانبرداری کرو۔

(ح) سو تم میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو (۵۳)

(ط) اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور جس شخص کا قتل کرنا اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے اسے ناحق قتل نہ کرو، اور زنا نہ کرو اور چوری نہ کرو۔

(ی) خبردار! (دورِ) جاہلیت کے سودوں میں ہر سود کو آج ختم کیا جاتا ہے تمہیں تمہارے اصل اموال ملیں گے (سود نہیں ملے گا) نہ تم (کسی پر) ظلم کرو اور نہ تم پر (کسی کی طرف سے) ظلم کیا جائے

(ک) کوئی عورت اپنے گھر سے اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر ہرگز خرچ نہ کرے۔ ادھار لی ہوئی چیز واپس کرنا ہوتی ہے، عطیے کو لوٹانا ہوتا ہے، اور قرض کو ادا کرنا ہوتا ہے اور ضامن (تاوان وغیرہ کا) ذمہ دار ہوتا ہے۔

(ل) اپنے رب کی عبادت کرو، اپنی پانچوں (نمازوں) کو ادا کرو اور اپنے (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھو اور جب تمہیں حکم دیا جائے (اور وہ حکم خلاف شریعت نہ ہو) تو فرمانبرداری کرو (ایسا کرتے رہو گے تو) تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(م) سنو، ہر نبی کی (خاص مستجاب) دعا پوری ہو چکی مگر میری (خاص مستجاب) دعا (ابھی پوری نہیں ہوئی) میں نے اس دعا کو قیامت تک کے لئے ذخیرہ کر چھوڑا ہے (کہ میں تمہارے لئے سفارش کروں گا بشرطیکہ تم اس کے لئے اپنے آپ کو اہل ثابت کرو) اس کے بعد (تم اب سن لو) انبیاء علیہم السلام کثرت تعداد پر مجھ پر فخر کریں گے اس لئے تم (اپنی بداعمالیوں سے) مجھے شرمندہ نہ کرنا، بے شک میں حوض (کوثر) کے دروازے پر تمہاری خاطر بیٹھا ہوں گا (۵۴) اللہ کے نام پر (جھوٹی) قسمیں نہ کھایا

کرو بے شک جو شخص اللہ کے نام پر (جھوٹی) قسم کھائے گا اللہ اسے جھوٹا کر دے گا۔

(ن) سنو! کوئی بھی زیادتی کرنے والا اپنی ہی جان پر زیادتی کرنے کے سوا کسی اور پر زیادتی نہیں کرتا خبردار! کوئی زیادتی کرنے والا اپنے بیٹے پر زیادتی نہیں کرتا اور نہ بیٹا اپنے باپ پر زیادتی کرتا ہے (ہر مجرم اور ہر گناہ گار دوسروں پر نہیں بلکہ وہ اپنے اوپر ہی زیادتی کرتا ہے کسی کا گناہ کوئی دوسرا شخص نہیں اٹھائے گا)

(س) تین باتوں میں کسی مومن کا دل کینے (اور رنج) کا شکار نہیں ہوتا (وہ تو ان تین باتوں کو ہنسی خوشی پورا کرنے پر حریص ہوتا ہے) اللہ کے لئے (اپنے) عمل میں خلوص پیدا کرنا، مسلمانوں کے حکام کی خیر خواہی اور ان (مسلمانوں) کا اپنی جماعت (یعنی مسلمان بھائیوں) کے ساتھ چمٹے رہنا کہ بے شک ان کی دعا (باہم ایک دوسرے پر) ان کے اردگرد سایہ فگن رہتی ہے۔

(ع) (دوران خطبہ) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح دجال کا ذکر کیا اور نہایت تفصیل سے اسکے متعلق بتایا پھر فرمایا کہ اللہ نے کوئی نبی بھی ایسا نہیں بھیجا ہے جس نے اپنی امت کو اس (کے فتنے) سے ڈرایا نہ ہو۔

(ف) خبردار! زمانہ گھوم پھر کر اپنی اسی حالت پر آ گیا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا (اللہ نے کائنات کی تخلیق موسم بہار میں کی تھی اب محرم پھر موسم بہار میں آ رہا ہے) سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں ان میں سے چار حرمت والے ہیں (یہ) تین مہینے تو لگاتار ہیں ذوقعدہ، ذوالحجہ اور محرم (اور چوتھا مہینہ قبائل) مُضر کا رجب ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہوتا ہے۔

(ص) اور خبردار! حج قیامت کے دن تک ذی الحجہ ہی میں رہے گا (نسی والی قمریہ شمسی تقویم کے منسوخ کر دینے سے اب مہینے اپنی جگہ پر ہی رہا کریں گے اور حج ٹھیک ذی الحجہ ہی میں رہا کرے گا)۔

(ق) خبردار! میں تم سے پہلے حوض (کوثر) پر پہنچوں گا اور میں تمہاری کثرت تعداد کی وجہ سے (دوسری) امتوں کے مقابلے میں فخر کروں گا پس تم (اپنی بدعملیوں سے) میرے چہرے پر سیاہی نہ ملنا۔ سنو! میں کئی لوگوں کو (بذریعہ سفارش اللہ کے عذاب سے) چھڑاؤں گا اور مجھ سے بھی کئی لوگ علیحدہ کر دیئے جائیں گے۔ میں کہوں گا یہ تو میرے اصحاب ہیں تو (اللہ تعالیٰ) کہے گا بے شک آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد ان لوگوں نے کیا کام کئے تھے (۵۵)

(ر) سنو! کیا میں نے (پیغام ربانی) پہنچا دیا؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں (پہنچا دیا) آپ ﷺ

نے فرمایا: اے اللہ! گواہ رہنا۔ (پھر) آپ ﷺ نے فرمایا: جو (یہاں) حاضر ہے اسے چاہئے کہ وہ (یہ باتیں) غیر حاضر (لوگوں) تک (بھی) پہنچا دے کہ بسا اوقات جسے یہ باتیں پہنچائی جائیں گی وہ ان (باتوں) کو (یہاں) سننے والے شخص سے زیادہ یاد رکھنے والا (اور ان کی حفاظت کرنے والا) ہوسکتا ہے۔

یوم النحر کے اس خطبے کے آخر میں آپ ﷺ نے سب کو الوداع کہا۔ پھر قربان گاہ تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ قربانی منیٰ ہی میں نہیں بلکہ منیٰ اور مکہ کی ہر گلی میں ہوسکتی ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے۔ تریسٹھ اونٹ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ذبح کئے اور باقی ۳۷ اونٹ حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کے حکم سے ذبح کئے، کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھی اپنی ہدی (قربانی) میں شریک فرمایا تھا۔ آپ ﷺ کے حکم سے ہر اونٹ کے گوشت کا کچھ حصہ کاٹ کر ہانڈی میں پکایا گیا۔ اس گوشت میں سے آپ ﷺ نے اور حضرت علیؓ نے کچھ گوشت تناول فرمایا باقی سب گوشت پوست خیرات کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے گوشت کا کچھ شوربا بھی نوش فرمایا۔

قربانی سے فارغ ہوکر آپ ﷺ نے حضرت معمرؓ بن عبداللہ کو بلا کر سر کے بال منڈوائے۔ صحابۂ کرامؓ موئے مبارک کو تبرکاً حاصل کرنے پر بہت حریص تھے۔ آپ ﷺ نے کچھ بال حضرت ابوطلحہ انصاریؓ، ان کی اہلیہ حضرت ام سلیمؓ اور پاس بیٹھے ہوئے بعض دیگر لوگوں کو عنایت فرمائے۔ باقی بال حضرت ابوطلحہؓ نے مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیئے۔ قربانی اور حلق (بال منڈوانے) سے فراغت کے بعد آپ ﷺ طواف افاضہ کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ پھر آپ چاہ زمزم پر تشریف لے گئے، جہاں بنوعبدالمطلب چاہ زمزم سے پانی نکال کر لوگوں کو پلا رہے تھے، کیونکہ سقایہ (پانی پلانے) کی ذمہ داری انہی کے سپرد تھی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تم پانی کھینچتے رہو اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ تمہیں مغلوب کر دیں گے تو میں خود پانی کھینچتا، یعنی اگر لوگوں نے مجھے پانی کھینچتے ہوئے دیکھ لیا تو ہر شخص میری اتباع کرے گا اور بنوعبدالمطلب کو سقایہ کا جو شرف حاصل ہے وہ خلل پذیر ہوگا۔ بنوعبدالمطلب نے آپ ﷺ کے لئے ڈول میں پانی نکالا جس میں سے آپ ﷺ نے قبلہ رخ کھڑے ہوکر حسب خواہش نوش فرمایا۔ بروایت حضرت جابرؓ بن عبداللہ و حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز مکہ ہی میں پڑھی پھر منیٰ واپس تشریف لے گئے، جبکہ بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ آپؐ نے ظہر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے گو مکہ مکرمہ میں نماز ظہر ادا کر لی تھی لیکن منیٰ میں بھی لوگ نماز ظہر کے لئے آپ ﷺ کے منتظر تھے لہذا آپ ﷺ نے غالباً منیٰ میں بھی لوگوں کو نماز پڑھائی۔ واللہ اعلم

ایام تشریق کے باقی دنوں ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق ۸، ۹ اور ۱۰ مارچ ۶۳۲ عیسوی جیولین کی تواریخ میں آپ ﷺ منیٰ ہی میں مقیم رہے، اور روزانہ زوال شمس کے بعد رمی جمرات کے لئے تشریف لے جاتے رہے۔ ان پر آپ ﷺ سات سات کنکریاں مارتے تھے۔ ان ایام میں بھی آپ ﷺ لوگوں کو مناسکِ حج کی تعلیم دیتے رہے۔ یوم الرؤس یعنی ۱۲ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق ۹ مارچ ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز سوموار بھی آپ ﷺ نے خطبہ دیا جس میں مزید نئی باتوں کے علاوہ سابقہ خطبات کی بہت سی باتوں کو دہرایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(الف) اسمعوا منّی تعیشوا ، الا لا تظلموا ، الا لا تظلموا ، الا لا تظلموا، الا لایحل مال امرء مسلم الاّ بطیب نفسه ، الا انّ کل دم و مال و ماثرة کانت فی الجاهلیة تحت قدمی هذه الیٰ یوم القیامة (۵۶)

(ب) الا ان الشیطان قد یئس ان یعبد فی بلدکم هذا ولکن سیکون له طاعة فی بعض ما تحتقرون من اعمالکم فیرضیٰ (۵۷)

(ج) الا انّ الزمان قد استدار کهئیته یوم خلق السمٰوات و الارض ثم قرأ انّ عدّة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا فی کتاب الله یوم خلق السّمٰوات و الارض منها اربعة حرم ذالک الدین القیّم فلا تظلموا فیهن انفسکم (۵۸)

(د) ایها الناس ان الزمان قد استدار علیٰ هیئته یوم خلق الله السّموات و الارض و ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا منها اربعة حرم رجب مُضر الذی بین جمادی و شعبان ، و ذو القعدة و ذو الحجة و المحرم ذالک الدین القیّم فلا تظلموا فیهن انفسکم انّما النسئ زیادة فی الکفر یُضلّ به الّذین کفروا یحلّونه عاما ویحرمونه عاما لیوا طئوا عدّة ماحرم الله (۵۹)

(ھ) الا انّ الشیطان قد یئس ان یعبده المصلّون و لکنّه فی التحریش بینکم ، و اتقوا الله فی النساء فانهنّ عندکم عوان لایملکن لانفسهن شیئا (۶۰)

(و) الا لیبلّغ شاهدکم غائبکم ، لانبی بعدی ولا امّةَ بعدکم، ثم رفع یدیه و قال اللّٰهم اشهد (۶۱)

ترجمہ (الف) تم میری بات سنو، تم (ہنسی خوشی) زندگی بسر کرو (لیکن) خبردار ظلم نہ کرنا، ظلم نہ

کرنا، ظلم نہ کرنا۔ کسی مسلمان کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔ خبردار ہر خون (کا انتقام)، ہر (ناجائز) مال (سود وغیرہ)، ہر فخر (کا کام یا منصب) جو (دورِ) جاہلیت میں تھا (اب) قیامت کے دن تک میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے

(ب) سنو! بے شک شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے اس شہر میں اسکی پوجا کی جائے گی لیکن اسکی اطاعت (تمہاری طرف سے) بعض ان کاموں میں ہوگی، جنہیں تم حقیر سمجھتے ہو تو وہ (اسی پر) راضی ہو جائے گا۔

(ج) دیکھو زمانہ گھوم پھر کر اپنی اس حالت پر آ گیا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ان عدۃ الشھور یعنی بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد اللہ کی کتاب میں اس دن (سے) بارہ ہے، جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ ان میں سے چار حرمت والے ہیں، یہی سیدھا دین ہے، سو تم ان (مہینوں) میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

(د) اے لوگو! (پھر سن لو) بے شک زمانہ گھوم پھر کر اپنی اس حالت پر آ گیا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا اور بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے جن میں سے چار (مہینے) حرمت والے ہیں۔ (قبائل) مُضر کا رجب جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم، یہی سیدھا دین ہے سو تم ان (مہینوں) میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ (رسم) نسی تو کفر کے کاموں میں (مزید) اضافہ ہے، اس کے ذریعہ کافر لوگوں کو بھٹکایا جاتا ہے کہ وہ (حرمت والے مہینوں کو) کسی سال حلال ٹھہرا لیتے ہیں اور کسی سال حرام ٹھہرا لیتے ہیں تاکہ وہ (کسی نہ کسی طرح بس) اللہ کی طرف سے حرام قرار دئے گئے مہینوں کی گنتی کو پورا کر لیں۔

(ھ) خبردار! شیطان اس بات سے ناامید ہو چکا ہے کہ نماز پڑھنے والے اس کی پوجا کریں گے لیکن وہ تمہیں باہم ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے میں (تو لگا ہی رہے گا)۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، بے شک وہ تمہارے پاس پابند ہیں وہ اپنی جانوں کے لئے ازخود کسی چیز کی مالک نہیں۔

(و) دیکھو! جو تم میں سے (یہاں) حاضر ہے وہ ان لوگوں کو (یہ باتیں) پہنچا دے جو تم میں سے یہاں موجود نہیں ہے۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی (اور) امت نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا: اے اللہ گواہ رہ (کہ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا)۔

یوم النفر یعنی ۱۳ ذی الحجہ کو آپ ﷺ منیٰ سے وادیٔ محصب تشریف لے گئے اسے ابطح اور خیف بنی کنانہ بھی کہا جاتا ہے۔ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں وہیں ادا فرمائیں۔ عشاء کی نماز کے بعد آپ ﷺ تھوڑی دیر کے لئے سو گئے پھر وہاں سے رات کو ہی طواف وداع کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے فجر کی نماز بھی مکہ ہی میں پڑھی۔ اب تمام مناسکِ حج پورے ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ نے مہاجرین و انصار کے ہمراہ ۱۴ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق ۱۱ مارچ ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز بدھ مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ راستے میں ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق ۱۵ مارچ ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز اتوار آپ ﷺ غدیر خم کے مقام پر ٹھہرے۔ عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں یہاں ایک تالاب تھا جس کی وجہ سے یہ جگہ بمطابق روایات غدیر خم کے نام سے مشہور ہوگئی۔ یہاں بھی آپ ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کا پس منظر یہ تھا کہ حجۃ الوداع سے چند ماہ پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ اور حضرت خالدؓ بن ولید کی زیر امارت دو الگ الگ سرایا یمن کی جانب تبلیغ کے لئے ربیع الاول ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رمضان ۱۰ ہجری قمری بمطابق دسمبر ۶۳۱ عیسوی جیولین میں روانہ فرمائے تھے، اور ان کے لئے حکم یہ تھا کہ اگر مشرکین سے جنگ کی نوبت آئے تو لشکر کی کمان حضرت علیؓ سنبھالیں گے۔ اس مہم میں بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت براءؓ بن عاذب اور حضرت بریدہ بن خصیب اسلمی وغیرہ کو اموال غنیمت میں حضرت علی کے طرز عمل سے متعلق کچھ شکایات ناحق پیدا ہوئیں، جن کا تذکرہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو آپ ﷺ نے سیدنا حضرت علیؓ کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے ان کے خلاف شکایات کو ناپسند فرمایا۔ اس سے معترضین کی اصلاح ہوگئی اور وہ حضرت علیؓ کو محبوب جاننے لگے۔ ان شکایات کے ازالے اور اہل بیت کے مناقب بیان کرنے کے لئے آپ ﷺ نے بموجب روایات حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا **الستم تعلمون انّی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم** ؟ یعنی کیا تم جانتے نہیں کہ مومنین پر میرا ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق ہے؟ لوگوں نے عرض کیا، بے شک ایسا ہی ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا **اللھم من کنت مولاہ فعلّی مولاہ اللھم و ال من والاہ و عاد من عاداہ** یعنی اے اللہ! میں جس کا مولیٰ ہوں تو علی بھی اس کا مولیٰ ہے، اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جو اسے دوست رکھے اور تو اسے دشمن رکھ جو اسے دشمن رکھے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کی ملاقات حضرت علیؓ سے ہوئی تو انہوں نے حضرت علیؓ کو مبارک باد دی کہ اے ابو طالب کے بیٹے! آپ نے صبح اور شام اس حال میں کی کہ ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت کے مولیٰ (دوست اور محبوب) ہو گئے۔ بعض جلیل القدر محدثین، فقہا اور متکلمین نے اس حدیث موالاۃ کی صحت میں

کلام کیا ہے (۶۲)۔

اس موقع پر آپ ﷺ نے قرآن کریم اور اہل بیت کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہارے اندر ثقلین (دو بھاری چیزیں) چھوڑ (کر جا) رہا ہوں ان میں سے پہلی کتاب اللہ (قرآن کریم) ہے اس میں ہدایت اور نور ہے سو تم اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور اس سے تمسک کرو پھر آپ ﷺ نے اللہ کی کتاب کی طرف لوگوں کو ابھارا اور خوب رغبت دلائی۔ پھر فرمایا اور میرے اہل بیت، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں، اللہ کی یاد دلاتا ہوں، اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ کتاب اللہ ہی وہ رسی ہے جس نے اسکی پیروی کی وہ ہدایت پر ہے اور جس نے اسے چھوڑ دیا وہ گمراہی پر ہے۔ مذکورہ روایت کو حدیث ثقلین کہا جاتا ہے (۶۳)۔ غدیر خم کے مقام سے آپ ﷺ پھر مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینے کے قریب پہنچ کر رات ذوالحلیفہ میں گزاری۔ اگلے روز طلوع شمس کے ساتھ ہی آپ ﷺ اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ ہجری تاریخ ۲۲ ذی الحجہ ۱۰ ہجری (مدنی رویت) بمطابق ۲۰ مارچ ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز جمعہ تھی۔

(۵) سریہ اسامہ بن زیدؓ

یہ آخری فوجی مہم ہے۔ جنگ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر طیار اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں کو مرعوب کرنے، حضرت زیدؓ بن حارثہ و دیگر صحابہ کرامؓ کی شہادت کا انتقام لینے کے لئے حضرت زیدؓ بن حارثہ کے نوعمر صاحبزدے حضرت اسامہ بن زیدؓ کی زیر امارت یہ آخری سریہ روانہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو لشکر کی تیاری اور اس میں شمولیت کا بلحاظ مدنی رؤیت ہلال ۲۸ صفر ۱۱ ہجری قمری بمطابق ۲۵ مئی ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز سوموار حکم صادر فرمایا۔ اگلے دن بروز منگل اس لشکر کا امیر حضرت اسامہ بن زیدؓ کو مقرر فرمایا۔ ابن سعد کی تصریح کے مطابق چند منافقین نے یہ چہ میگوئیاں شروع کر دیں کہ بزرگ مہاجرین و انصار پر ایک بالکل نوعمر اور ناتجربہ کار لڑکے کو امیر مقرر کیا گیا ہے۔ کچھ حضرات کو انتظار رہا کہ شاید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور کو سپہ سالار مقرر فرمائیں، اس پر بعد میں اپنے ایام مرض میں آپ ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ اسامہؓ کی امارت پر تمہارا اعتراض درست نہیں، تم لوگ اس کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی کر رہے ہو تو ان سے پہلے ان کے باپ (حضرت زیدؓ بن حارثہ) کی سپہ سالاری پر بھی تم طعنہ زنی کر چکے

ہو، حالانکہ اللہ کی قسم وہ سپہ سالاری کے اہل تھے اور میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے تھے، یہ بھی ان کے بعد میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں (۶۴)

حضرت اسامہؓ کے لشکر میں اکابر مہاجرین و انصار شامل تھے، بعض روایات کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی اس لشکر میں شامل تھے لیکن بعض مؤرخین مثلاً ابن جریر طبری نے حضرت عمرؓ کا اس میں شامل ہونا تو لکھا ہے مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اس میں شامل ہونا بیان نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جیش اسامہ میں شامل ہونا بلحاظ درایت بھی محل نظر ہے، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے آخری ایام میں شدید علالت اور ضعف کی بناء پر مسجد میں جا کر نماز نہیں پڑھا سکتے تھے تو آپ ﷺ نے اپنی جگہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر فرمایا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعد میں آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جیش اسامہ میں شمولیت سے مستثنیٰ فرمایا ہو۔

۳۰ صفر ۱۱ ہجری بمطابق ۲۷ مئی ۶۳۲ عیسوی بروز بدھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض وفات لاحق ہوا۔ مرض کی شدت کے باوجود آپ ﷺ نے اگلے روز یکم ربیع الاول ۱۱ ہجری (بلحاظ مدنی رویت ہلال) بمطابق ۲۸ مئی ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز جمعرات اپنے دست مبارک سے حضرت اسامہؓ کے لئے جھنڈا تیار فرمایا۔ حضرت اسامہؓ نے یہ جھنڈا حضرت بریدہ اسلمیؓ کو دیا اور مسلمان مدینے سے کوئی تین میل کے فاصلے پر واقع مقام جرف میں رومیوں کے خلاف شام جانے کے لئے جمع ہونے لگے۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں لحہ بہ لحہ شدت کے پیش نظر یہ لشکر روانہ نہ ہو سکا۔ حضرت اسامہؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کے ہمراہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کے لئے مدینہ آ گئے۔ بعد میں جب سول اکرم ﷺ کی طبیعت قدرے بحال ہوئی تو لشکر کی روانگی کا آپ ﷺ نے دوبارہ حکم دیا۔ یہ لشکر کوچ کر ہی رہا تھا کہ حضرت اُسامہؓ کی والدہ حضرت ام ایمنؓ کی طرف سے ایک شخص یہ پیغام لے کر آیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نزع کی حالت طاری ہے۔ اس پر حضرت اسامہؓ مدینہ واپس آئے۔ اسی روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی اور سب مسلمانوں کو جو جرف میں جمع تھے واپس آنا پڑا۔ حضرت بریدہ اسلمیؓ نے جھنڈا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک کے دروازے پر نصب کر دیا۔ اس کے بعد یہ لشکر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں روانہ ہوا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس وقت کے انتہائی ناموافق اور غیر مساعد حالات کے باوجود جیش اسامہؓ کی روانگی کو اولیں ترجیح دی اور ہرگز کسی کی پرواہ نہ کی۔ یہ لشکر کوئی چالیس روز کے بعد کامیاب و

کامران لوٹا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت اسامہؓ کی اجازت سے حضرت عمرؓ کو اہم امور میں مشوروں کے لئے اپنے پاس ہی رکھ لیا تھا لشکر کے ساتھ نہیں بھیجا۔ جیش اسامہ کے سلسلے میں قمری تواریخ پر بحث توقیتی مباحث میں آئے گی۔

۶۔ وصالِ مبارک:

دین کے کامل ہونے اور امت محمدیہؐ کے اولیں طبقے حضرات صحابہ کرامؓ پر اللہ کی نعمت کے پورا ہونے سے کچھ عرصہ پہلے ہی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دار فانی سے دار البقا کی جانب منتقل ہونے کے الوداعی آثار کا ظہور شروع ہو گیا تھا۔ سورہ نصر کا نزول بھی ان میں شامل ہے۔ صحیح اور معتبر روایات کے مطابق سورہ نصر کا نزول فتح مکہ کے بعد ہی فوراً ہوا تھا۔ اس سورت کے مضامین اور سیاقِ کلام سے بھی یہی درست دکھائی دے رہا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ایام تشریق کے وسط میں اس کے نزول کی روایت ضعیف ہے۔ بہر حال اس سورت کے نزول پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اندازہ ہو چلا تھا کہ دنیا سے عالم آخرت کی طرف آپ کی رحلت کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے بجا طور پر اس سورت کے نزول کو رسول اکرم ﷺ کی اس دار فانی سے رحلت کے قریب ہونے پر محمول کیا۔

آپ ﷺ نے آخری رمضان میں سابقہ معمول کے برعکس دس دن کی بجائے بیس دن اعتکاف فرمایا۔ حضرت جبریلؑ نے آخری سال میں آپ کو قرآن کریم کا دور دو مرتبہ کرایا، حالانکہ وہ اس سے پہلے ایک ہی مرتبہ دور کرایا کرتے تھے۔ حجۃ الوداع سے پہلے آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان سے فرمایا کہ شاید مجھ سے تمہاری ملاقات اس سال کے بعد نہ ہو تم میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔ حضرت معاذؓ آپؐ سے فراق کے خوف سے آبدیدہ ہو گئے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ شاید اس سال کے بعد میری تم سے کبھی ملاقات نہ ہو سکے۔ حجۃ الوداع میں خطاب کے بعد آپؐ نے لوگوں کو الوداع کہا۔

اوائل صفر ۱۱ ہجری قمری بمطابق اواخر اپریل ۶۳۲ عیسوی جیولین آپ ﷺ دامن احد میں تشریف لے گئے اور شہدا احد کے لئے دعا فرمائی۔ واپسی پر آپ ﷺ نے منبر پر جلوہ افروز ہو کر ایسے خطبہ ارشاد فرمایا جیسے کوئی زندوں اور مردوں کو الوداع کہہ رہا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سے پہلے حوض

(کوثر) پر پہنچنے والا ہوں اور اس کا عرض ایلہ سے جحفہ تک ہے۔ مجھے تم پر یہ خدشہ نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ تم دنیا طلبی میں باہم ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو گے جس سے تم آپس میں کشت وخون کرو گے اور اس طرح ہلاک ہو گے جیسے تم سے پہلے قومیں ہلاک ہوئیں (۶۶)

ایک روایت میں ان کلمات کا اضافہ بھی ہے کہ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں (۶۷)۔ ایک دن آدھی رات کے قریب آپ بقیع تشریف لے گئے اور اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت کی اور فرمایا ''اے قبر والو! تم پر سلام ہو اور تمہیں وہ حال مبارک ہو جس میں تم اب ہو کہ فتنے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ایک دوسرے کے پیچھے چلے آرہے ہیں اور بعد والا (فتنہ) پہلے والے سے زیادہ برا ہے۔

بمطابق مدنی رؤیت ہلال آپ ﷺ بقیع میں ۳۰ صفر ۱۱ ہجری بمطابق ۲۷ مئی ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز بدھ تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر راستے میں ہی آپ ﷺ کو دردِ سر لاحق ہوا اور ساتھ ہی تیز بخار ہو گیا کہ سر مبارک پر بندھی ہوئی پٹی کے اوپر سے حرارت کی شدت محسوس کی جانے لگی۔ اسی مرض میں آپ ﷺ نے انتقال فرمایا۔ مرض کی کل مدت بقول ابن سعد تیرہ دن تھی۔ (۶۸)

مرض دن بدن بڑھتا گیا۔ آپ ﷺ ازواج مطہرات سے پوچھتے رہتے تھے کہ کل میں کہاں رہوں گا؟ وہ سمجھ گئیں اور ان سب کی رضامندی سے آپ ﷺ نے آخری ہفتہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ہی گزارا۔ حضرت علیؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ آپ کو سہارا دے کر یہاں لائے تھے۔ آپ ﷺ کے سر پر پٹی بندھی تھی اور شدید ضعف کی بناء پر آپؐ سے اچھی طرح چلا نہیں جا رہا تھا۔ حضرت عائشہؓ آپ کی بیماری کے ایام میں معوذتین اور دیگر مسنون ادعیہ پڑھ کر آپ ﷺ پر دم کیا کرتی تھیں اور برکت وشفا کی امید سے آپ کے جسم اطہر پر آپ ﷺ کا ہاتھ پھیرتی رہتی تھیں لیکن ایک موقع پر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ ہٹاتے ہوئے فرمایا اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ شامل فرما دے۔

۷ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری بمطابق ۳ جون ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز بدھ مرض اس قدر شدید ہوا کہ آپ ﷺ پر غشی طاری ہو گئی۔ آپ کے حکم سے سات مختلف کنوؤں کے سات مشکیزوں کا پانی آپ ﷺ پر بہایا گیا اس وقت آپ کو ایک لگن میں بٹھایا گیا تھا۔ آپ کو اس سے سکون محسوس ہوا پھر آپ نے اشارے سے فرمایا کہ بس، مزید پانی نہ بہاؤ۔ اس کے بعد آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما ہوئے۔ منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور صحابہ کرامؓ آپ کے اردگرد جمع تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا

کہ اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا۔ میری قبر کو بُت نہ بنالینا کہ اس کی پوجا ہونے لگے۔

ظہر کی نماز کے بعد آپ ﷺ دوبارہ منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد آپ ﷺ نے انصار کے حق میں تاکیدی وصیت فرمائی، کیونکہ اس سے پہلے آپ ﷺ کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ کچھ انصار آپ کے مرض کی وجہ سے پریشان ہو کر رو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انصار نے اپنے فرائض پورے کر دیئے ہیں اب ان کے حقوق کا لحاظ کیا جائے۔ لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ کھانے میں نمک کی طرح رہ جائیں گے، اس لئے تم میں سے جو شخص (اسباب عادیہ کے تحت) کسی نفع یا نقصان پہنچانے والے کام پر مقرر ہو اسے چاہئے کہ وہ انصار کے اچھے لوگوں کی قدر کرے اور ان کے قصور واروں کو معاف کرے، پھر فرمایا کہ ایک بندے کے سامنے دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، سب کچھ پیش کیا گیا لیکن اس نے آخرت کو ہی اختیار کیا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہمارے ماں باپ، ہماری جانیں اور ہمارے اموال آپ ﷺ پر قربان ہوں۔ دوسرے لوگوں کو تعجب ہوا لیکن بعد میں سب کو معلوم ہو گیا کہ صدیق اکبرؓ نے صحیح سمجھا تھا کہ جس بندے کو دنیا و مافیھا کا اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو تھے۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا ساتھ دینے اور مجھ پر مال خرچ کرنے میں ابوبکرؓ سب سے بڑھ کر ہیں اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی اور کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن (ان کے ساتھ) اسلام کی اخوت و محبت (کا رشتہ) ہے۔ مسجد کے سب دروازے سوائے ابوبکر کے دروازے کے بند کر دیئے جائیں۔

۸ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری بمطابق ۴ جون ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز جمعرات آپ ﷺ کو شدید درد لاحق تھا۔ اسی حالت میں از راہِ شفقت حاضرین سے فرمایا کاغذ لاؤ میں تمہیں تحریر لکھا دوں، جس سے تم میرے بعد گمراہ نہیں ہو گے۔ بشمول حضرت عمرؓ بعض نے کہا کہ آپ کو شدید درد اور تکلیف ہے اور ہمارے پاس قرآن موجود ہے ہم سب کو اللہ کی کتاب (قرآن کریم) کافی ہے، جبکہ دوسرے لوگ کہہ رہے تھے کہ لکھنے کا سامان لایا جائے آپس میں اختلاف رائے ہوا۔ کسی نے کہا آپ ﷺ سے پوچھ لو کہ کہیں آپ (ہمیں) داغ مفارقت تو نہیں دے رہے؟ اس شور وغل پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سب میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ میں جس حال میں ہوں اس سے بہتر ہوں جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو (۶۹)۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے اسی روز تین باتوں کی وصیت فرمائی۔ یہود و نصاریٰ کو خطہ عرب

سے نکال دیا جائے، وفود کا احترام اسی طرح کیا جائے جیسے معمول نبوی تھا، تیسری وصیت کو راوی بھول گیا لیکن صحیح بخاری کی کتاب الوصایا میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن کریم کے متعلق وصیت فرمائی تھی، بیماری کی شدت کے انہی ایام میں حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ مجھے یہ نظر آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرض میں رحلت فرما جائیں گے، کیونکہ انتقال کے وقت بنوعبدالمطلب کے چہروں کی کیفیت مجھے معلوم ہے۔ آپ ہمارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں، تاکہ ہم آپ ﷺ سے آپ کی جانشینی کے بارے میں دریافت کرلیں، اگر یہ (خلافت) ہمارے لئے ہے تو ہمیں اس کا علم ہوجائے گا اور اگر دوسروں کے لئے ہے تو بھی پتہ چل سکے گا اور آپ ﷺ ہمارے بارے میں اسے (حسن سلوک کی) وصیت فرمادیں گے، حضرت علیؓ نے جواب میں کہا واللہ! اگر ہم نے آپ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا اور آپ نے ہمیں اس سے روک دیا تو آپ ﷺ کے بعد لوگ یہ خلافت ہمیں کبھی نہیں دیں گے۔ واللہ! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق نہیں پوچھوں گا۔ (۷۰) انہی ایام مرض میں ہی ایک وقت آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ ابوبکرؓ اور اس کے بیٹے کو بلاؤ تاکہ ابوبکر (کی خلافت) کے بارے میں کوئی طمع رکھنے والا طمع نہ رکھے یا کوئی خواہشمند (اس کی) خواہش نہ کرے، پھر آپ ﷺ نے دومرتبہ فرمایا کہ اللہ اور مومنین سوائے ابوبکر کے (باقی سب کے لئے) انکار کرتے ہیں اور دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے فرمایا کہ میرے پاس شانے کی ہڈی کا (ٹکڑا) یا تختی لاؤ تاکہ میں ابوبکر کے لئے تحریر لکھ دوں کہ (خلافت کے بارے میں) ان سے کوئی اختلاف نہ کرے۔ جب عبدالرحمٰنؓ اس کام کے لئے اٹھنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اے ابوبکر! اللہ اور مومنین اس بات کا انکار کرتے ہیں یعنی ایسا نہیں ہونے دیں گے کہ تجھ سے کوئی اختلاف کرے بلکہ بالآخر سب تجھ پر متفق ہوجائیں گے (۷۱) چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا۔ اس سے ملتا جلتا مضمون صحیح بخاری میں بھی ہے (۷۲) اگر یہ واقعہ قبل ازیں مذکور واقعۂ قرطاس سے بعد کا ہے تو ممکن ہے کہ واقعۂ قرطاس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے پروانۂ خلافت لکھانا چاہتے ہوں پھر ارادہ ترک فرمادیا کہ عالم اسباب کے تحت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سوا خلیفۂ اول کوئی اور ہوگا ہی نہیں لہٰذا تحریر کی ضرورت نہیں۔ صحیحین کی ایک روایت کے مطابق ایک عورت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے اسے اپنے پاس دوبارہ آنے کا کہا۔ اس نے کہا کہ اگر میں آئندہ آؤں اور آپ کو نہ

پاؤں (یعنی آپ انتقال فرما جائیں تو میں کس کے پاس جاؤں؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس جانا (۷۳) غالباً یہ خاتون آپ ﷺ کے ان ایام مرض ہی میں حاضر خدمت ہوئی تھی۔

بیماری کی نہایت شدت کے انہی ایام میں بروایت مسند امام احمد بن حنبلؒ وطبقات ابن سعدؒ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ کوئی تختی لائی جائے تاکہ اس میں ایسی باتیں لکھ دی جائیں کہ آپ ﷺ کے بعد امت نہ بھٹکے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے مرض کی شدت کے پیش نظر مجھے یہ خطرہ لاحق ہوا کہ میرے واپس آنے تک کہیں آپ رحلت ہی نہ فرما جائیں اس لئے میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ مجھے زبانی بتادیں میں ان باتوں کی حفاظت کروں گا اور خوب یاد رکھوں گا تو آپ ﷺ نے نماز، زکوٰۃ اور زیردست (غلاموں اور لونڈیوں کے) متعلق تاکید فرمائی۔

مرض کی شدت اور تکلیف کے باوجود جب تک ہوسکا آپ مسجد میں جاکر لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے، ۹ ربیع الاول ۱۱ ہجری شب جمعہ کی مغرب کی نماز بھی آپ ﷺ ہی نے پڑھائی۔ اس میں آپ نے سورہ والمرسلات عرفا کی تلاوت فرمائی۔ عشاء کے وقت آپ ﷺ نے مسجد میں جانے کا تین مرتبہ ارادہ فرمایا لیکن ہر مرتبہ آپ پر غشی طاری ہوتی رہی۔ ہر مرتبہ آپ ﷺ کے حکم سے لگن میں غسل کے لئے پانی رکھا گیا غسل فرمانے کے بعد اٹھنے کی کوشش پر آپ ﷺ پر غشی طاری ہوجاتی۔ آپ ہر مرتبہ پوچھتے رہے، لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ آپ کو بتایا جاتا کہ لوگ مسجد میں آپ کا انتظار کررہے ہیں۔ بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی مرض میں انتقال ہوگیا تو لوگ میرے والد حضرت ابوبکرؓ کے متعلق بدشگونی سے کام نہ لیں، اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے رقیق القلب ہونے کے حوالے سے حضرت عائشہؓ نے چاہا کہ کسی اور کو نماز کی امامت کے لئے مقرر کیا جائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار جاری رکھا کہ ابوبکرؓ ہی لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔ حضرت عائشہؓ اور دیگر ازواج مطہراتؓ کے متعلق آپ ﷺ نے اس سلسلے میں فرمایا کہ تم سب یوسف والیاں ہو، ابوبکر کو (میری طرف سے) حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں (۷۴)

انتقال سے ایک یا دو روز پہلے ہفتہ یا اتوار کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض میں قدرے افاقہ محسوس فرمایا تو آپ ﷺ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے کندھوں کا سہارا لئے ہوئے مسجد

نبوی میں ظہر کی نماز کے وقت تشریف لائے اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ پیچھے ہٹنے لگے تو آپ ﷺ نے اشارے سے منع فرمادیا اور خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بائیں جانب بیٹھ گئے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ ﷺ کی اقتدا کرتے تھے اور باقی سب لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تکبیرات پر نماز ادا کرتے رہے۔

۱۱ ربیع الاول ۱۱ ہجری بمطابق ۷ جون ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز اتوار آپ ﷺ نے اپنے سب غلاموں کو آزاد فرمادیا۔ گھر میں سات دینار موجود تھے وہ خیرات کردیئے، ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ فرمادیئے۔ رات کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ نے چراغ کے لئے تیل ایک پڑوسن سے ادھار لیا۔ آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع (کوئی ۷۵ کلوگرام) جو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔ اس روز آپ ﷺ پر بار بار بے ہوشی طاری ہوتی رہی۔ وہاں موجود ازواج مطہرات اور صحابہ کرام نے سمجھا کہ آپ ﷺ کو ذات الجنب (پلیورسی) کا مرض لاحق ہے۔ ان کا ارادہ ہوا کہ روغن زیتون میں قسط (عود ہندی) حل کر کے آپ کو استعمال کرائی جائے اسے لدود کرنا کہا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے منع فرمادیا مگر اس حالت میں آپ پر غشی طاری ہوگئی تو لوگوں نے منہ کھول کر دوا پلادی کہ شاید آپ ﷺ کا دوا لینے سے انکار بعض طبعی ناگواری سے ہو، اور شاید اس دوا کے استعمال سے آپ ﷺ جلد شفایاب ہوجائیں، جب آپ کی طبیعت سنبھلی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ذات الجنب کا مرض نہیں ہے اس موقع پر آپ ﷺ نے انتہائی حکیمانہ اور مشفقانہ حکم دیا کہ سب حاضرین کو لدود کیا جائے، ام المومنین حضرت میمونہؓ کا روزہ تھا لیکن انہیں بھی دوا پلا کر ان کا روزہ افطار کرایا گیا، اس حکم سے حضرت عباسؓ آپ کے چچا مستثنیٰ رہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ کو دوا پلانے کے مشورے میں شریک نہیں تھے۔ آپ کے اس حکیمانہ طرز عمل سے کسی بدبخت کے لئے یہ گنجائش باقی نہ رہی کہ وہ امہات المومنینؓ پر لدود کے بہانے رسول اکرم ﷺ کو زہر پلانے کا بہتان تراش کر اپنے جہنم رسید ہونے کا بندوبست کرے اور نہ ہی کسی نیک بخت کے لئے یہ موقع چھوڑا کہ وہ اس وسوسے کا شکار ہو کہ شاید مذکور دوا سے رسول اکرم ﷺ کو کوئی جسمانی ضرر لاحق ہوا ہو۔ مرض کی غلط تشخیص اور دوا کے غلط تجویز سے آپ ﷺ کا مرض نہ تو زائل ہوا اور نہ ہی کم ہوا لیکن اس بے ضرر دوا کا کوئی نقصان بھی نہ ہو، اور نہ جن کو لدود کیا گیا تھا ان میں سب یا بعض پر۔ کسی ایک پر تو یہ نقصان ضرور ظاہر ہوتا۔

۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری بمطابق ۸ جون ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز سوموار مسلمان حضرت ابوبکر

صدیقؓ کی زیر امامت فجر کی نماز ادا کر رہے تھے کہ آپ ﷺ نے اچانک حضرت عائشہؓ کے حجرے کا پردہ اٹھا کر یہ منظر دیکھا اور فرطِ مسرت سے تبسم فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ پیچھے ہٹنے لگے کہ آپ ﷺ شاید مسجد میں تشریف لا رہے ہیں۔ لیکن آپؐ نے اشارے سے منع فرما دیا۔ صحابہ کرامؓ اس قدر خوش ہوئے کہ قریب تھا کہ آپ کی مزاج پرسی کے لئے نماز توڑ دیں لیکن آپ ﷺ نے اشارے سے سمجھا دیا کہ نماز پوری کرو پھر پردہ گرا دیا۔ اس کے بعد کسی اور نماز کا وقت آپ ﷺ پر نہیں آیا۔

تکلیف بتدریج بڑھ رہی تھی اب اس زہر کا اثر بھی آپ ﷺ پر ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا جو ایک یہودی عورت نے آپ کو خیبر میں کھلایا تھا، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آپ ﷺ فرماتے تھے'' اے عائشہ خیبر میں جو کھانا میں نے کھایا تھا اس زہر کی تکلیف میں برابر محسوس کرتا رہا ہوں (اور اب تو یہ حال ہے کہ) اس زہر سے میری رگِ جان کٹی جا رہی ہے''۔

چاشت کے وقت کے قریب آپؐ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضھا کو بلایا ان سے ایک مرتبہ سرگوشی فرمائی تو وہ رونے لگیں، دوسری مرتبہ سرگوشی فرمائی تو ہنس پڑیں۔ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ آپ نے دنیا سے اپنی جلد رحلت کی خبر مجھے دی تھی اور دوسری مرتبہ مجھے یہ بتایا تھا کہ خاندان میں سب سے پہلے میں آپ ﷺ کے پاس پہنچوں گی۔ بعض روایات کے مطابق یہ واقعہ آخری دن کا نہیں بلکہ آخری ہفتے کا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو سیدۃ نساء العالمین (جہانوں یعنی روئے زمین کی ساری خواتین کی سردار) ہونے کی بشارت سے نوازا۔ حضرت فاطمہؓ نے آپ ﷺ کی تکلیف کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے اپنی بے چینی اور کرب کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے باپ کو آج کے بعد کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی، آپؐ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بلایا۔ انہیں چوما اور ان کے احترام کی وصیت فرمائی۔ ازواج مطہراتؓ کو بلا کر انہیں وعظ و نصیحت فرمائی۔ اپنی آخری وصیت میں صحابہ کرامؓ کو فرمایا **الصلوٰۃ الصلوٰۃ و ماملکت ایمانکم**'' نماز، نماز اور جو تمہارے زیر دست (غلام اور لونڈیاں ہیں ان سب چیزوں کا خیال رکھو'' آپ ﷺ اسے بار بار دہراتے رہے۔ نزع کے وقت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کو سہارا دیئے ہوئے پس پشت بیٹھی ہوئی تھیں۔ پانی کا پیالہ آپ ﷺ کے سرہانے رکھا ہوا تھا اس میں آپ ﷺ ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پر پھیر لیتے تھے، چہرہ کبھی سرخ اور کبھی زرد ہو جاتا اور آپ ﷺ فرماتے تھے **لا الٰہ الا اللہ انّ للموت سکرات**'' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، موت کے لئے

سختیاں ہیں''۔

دریں اثنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰنؓ تشریف لائے۔ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔آپ ﷺ نے مسواک پر نظر ڈالی۔حضرت عائشہؓ نے اس مسواک کو اپنے دانتوں سے نرم کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اس نعمت پر ہمیشہ فخر رہا،وہ فرماتی تھیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں میری باری کے دن،میرے سینے سے سہارا لگائے ہوئے رحلت فرمائی اور مسواک کے ذریعے آخری لمحات میں میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن کو اکٹھا کر دیا۔کیونکہ حضرت عائشہؓ نے جب محسوس کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسواک کی طلب ہے تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے مسواک لے کر آپ ﷺ کو پیش کی تھی۔ آپ ﷺ کو یہ سخت محسوس ہوئی۔حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کیا میں اسے آپؐ کے لئے نرم کردوں؟ آپ ﷺ نے سر مبارک کے اشارے سے ہاں میں جواب دیا تو حضرت عائشہؓ نے دانتوں سے مسواک کو نرم کیا۔آپ ﷺ نے خوب اچھی طرح مسواک فرمائی۔مسواک سے فارغ ہوتے ہی آپ ﷺ نے ہاتھ یا انگلی اٹھائی،نگاہ چھت کی طرف بلند کی۔مبارک ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔حضرت عائشہؓ نے کان لگا کر سنا تو آپ ﷺ فرما رہے تھے''ان انبیاء،صدیقین،شہدا اور صالحین کے ہمراہ جن پر اے اللہ! تو نے انعام فرمایا،اے اللہ! میری مغفرت فرما،مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ میں پہنچا دے''آخری فقرہ تین بار دہرایا اور آپ کی روح انور جسم اطہر سے پرواز کر گئی۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اس عظیم سانحے اور جانکاہ حادثے کی خبر فوراً مدینے میں پھیل گئی۔سچے عاشقانِ رسول حضرات صحابہ کرامؓ کے لئے دنیا اندھیر ہوگئی۔اس سے بڑا صدمہ انہوں نے اس سے پہلے نہ کبھی دیکھا تھا، نہ سنا تھا۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جس دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تھے اس سے زیادہ،پرمسرت اور شاندار دن میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا،اور جس دن آپ ﷺ نے ہمیں داغ مفارقت دیا اس دن سے زیادہ قبیح اور تاریک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔اہل بیت،ازواج مطہرات،سیدہ فاطمہؓ ،حضرت علیؓ ودیگر اعزہ واقارب صدمے سے شدید نڈھال تھے۔سیّدہ فاطمہؓ نے شدتِ غم میں فرمایا، یـــا ابتـاہ اجاب ربّادعاہ ، یا ابتاہ من جنّۃ الفردوس مأواہ ، یا ابتاہ الیٰ جبریل ننعاہ (۷۵)''ابا جان! جنہوں نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کرلیا،ہائے ابا جان! جن کا ٹھکانا جنت الفردوس ہے،ہائے ابا جان! ہم جبریل کو آپ ﷺ کی (رحلت کی) خبر دیتے ہیں''۔

صدمے کی شدت سے حضرت عمرؓ کے ہوش اڑ گئے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر کہنا شروع کر دیا کہ کچھ منافقین کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں، آپ ﷺ فوت نہیں ہوئے بلکہ اپنے رب کے پاس چلے گئے ہیں، جیسے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام گئے تھے اور اپنی قوم سے چالیس روز تک غائب رہے تھے تو لوگوں نے ان کی واپسی سے پہلے کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ واللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضرور واپس تشریف لائیں گے اور جو لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ انتقال فرما چکے ہیں، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے (۷۶) دریں اثنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سخ میں واقع اپنے مکان سے گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے، اتر کر مسجد نبوی میں پہنچے پھر کسی سے کوئی بات کئے بغیر سیدھے امّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کے حجرے میں گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر پر ایک دھاری دار یمنی چادر ڈالی ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چادر ہٹا کر آپؐ کے چہرہ مبارک کو بوسہ دیا اور روتے ہوئے فرمایا کہ اللہ آپ ﷺ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا، جو موت آپ ﷺ کے لئے مقدر تھی وہ آ چکی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے باہر نکل کر حضرت عمرؓ سے کہا، بیٹھ جاؤ لیکن وہ کھڑے ہو کر اپنی پہلی باتیں دہراتے رہے۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا کہ تم میں سے جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں اور جو تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک اللہ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی۔ پھر آپ نے سورہ آل عمران کی اس آیت کی تلاوت فرمائی **و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افئن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم و من ینقلب علیٰ عقبیه فلن یضر الله شیئا و سیجزی الله الشاکرین** o (۷۷) ''اور محمد اللہ کے رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے (بھی) رسول گزر چکے تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جائے تو وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو اچھا صلہ دے گا''۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس خطاب کا صحابہ کرامؓ پر نہایت عمدہ اثر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ذریعے اپنا سکینہ نازل فرمایا، اب سب کی زبان پر مذکورہ قرآنی آیت جاری تھی۔ اس سے پہلے لوگوں کو یہ خیال ہی نہیں رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھی نازل کی ہے۔

مسلمانوں پر امیر کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں گزرنا چاہئے۔ پہلے پہل غم واندوہ کی شدت میں اس کا کسی کو خیال نہ آیا، انصار مدینہ یہاں بھی امت مسلمہ کے انصار (مددگار) ثابت ہوئے کہ وہ سقیفہ بنی

ساعدہ میں جمع ہو کر اس انتہائی اہم مسئلے کی طرف متوجہ ہوئے۔ قبیلہ قریش خانہ کعبہ کا متولی ہونے کی وجہ سے تمام عرب قبائل کے لئے محترم تھا، اسلئے انتظامی تقاضے کے تحت مہاجرین میں سے ہی کسی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اور جانشین ہونا چاہئے تھا۔ مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم کو خبر ہوئی تو وہ سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے۔ وہاں مہاجرین وانصار کے درمیان خوب بحث و تمحیص، مجادلہ ومناظرہ ہوا جس سے یہ بات سب کے سامنے خوب کھل گئی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیں خلیفہ ہیں، چنانچہ ان کی خلافت پر سب حاضرین کا اتفاق ہو گیا اور سب نے بلا چوں وچرا آپ کی بیعت کی، باقی ماندہ دیگر سب مہاجرین وانصار نے بھی اس فیصلے سے مکمل اور بھرپور اتفاق کیا اور انہوں نے بھی آئندہ دنوں میں آپ کی بیعت کی (۷۸)

سوموار کا دن یونہی گذر گیا۔ ۱۳ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری بمطابق ۹ جون ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز منگل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑے اتارے بغیر غسل دیا گیا۔ حضرت عباسؓ اور ان کے دو صاحبزادے حضرت فضلؓ اور حضرت قثمؓ آپ ﷺ کی کروٹ بدل رہے تھے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت شقرانؓ پانی ڈال رہے تھے اور حضرت علیؓ غسل دے رہے تھے۔ حضرت اوسؓ بن خولی انصاری نے اہل بیت کی اجازت سے اس کام میں شرکت کی تھی۔ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو اپنے سینے کا سہارا دے رکھا تھا۔ پھر آپ ﷺ کو تین سفید یمنی چادروں میں کفنایا گیا ان میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ہر نبی کی تدفین اسی جگہ ہوئی ہے جہاں وہ فوت ہوا۔ قبر کھودنے پر حضرت ابوطلحہؓ مامور تھے۔ انہوں نے وہ بستر اٹھایا جس پر آپ ﷺ کی وفات ہوئی تھی اور وہاں لحد والی (بغلی) قبر کھودی گئی۔ نماز جنازہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں ہی ادا کی گئی جہاں آپ ﷺ کا انتقال ہوا تھا۔ یہ چھوٹا سا حجرہ تھا اس لئے دس دس آدمی اندر جاتے تھے۔ جنازے میں کوئی امام نہیں تھا۔ سب نے اپنے طور پر نماز پڑھی۔ سب سے پہلے آپ ﷺ کے خاندان بنو ہاشم نے پھر سب مہاجرین نے پھر سب انصار نے نماز پڑھی (۱/۷۹) مردوں کے بعد عورتوں اور پھر بچوں کی باری آئی یہ سلسلہ بدھ کی رات تک چلتا رہا۔ پھر بدھ کی رات کو ہی آپ ﷺ کی تدفین ہوئی۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کا علم اس وقت ہوا جب ہمیں بدھ کی رات پھاوڑوں کی آواز سنائی دی۔

توقیتی مباحث سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی ۱۰۔۱۱ ہجری قمری، ۶۳۱، ۶۳۲ عیسوی جیولین

تقابلی تقویمی جدول سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۱۰۔۱۱ ہجری قمری بمطابق ۶۳۱۔۶۳۲ عیسوی جیولین بمطابق عبرانی سال ۴۳۹۲ خلیقہ (مکبوس)، ۲۳۲ ویں ۱۹ سالہ دور کا تیسرا سال یکم ستمبر ۶۳۱ عیسوی جیولین = (۲۴۳ تقسیم ۳۶۵) + (۶۳۱) تقسیم ۹۷۰۲۰۴ = .۶۵۱.۰۶۴۸۷، (۶۵۱.۰۶۴۸۷ - ۶۴۰.۶۵۲۶) = ۱۰.۴۱۲۲۷، (۱۲ × .۴۱۲۲۷) = ۴.۹۴۷۲۴، (۲۹.۵ × .۹۴۷۲۴) = ۲۷.۹۴ = ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری قمری، پس یکم جمادی الاخریٰ ۱۰ ہجری قمری بمطابق یکم محرم ۱۰ ہجری قمریہ شمسی = ۳۲ - ۲۸ ÷ ۴ ستمبر ۶۳۱ عیسوی جیولین، تاریخ اور وقتِ قران ۲ ستمبر ۶۳۱ عیسوی جیولین بوقت ۰۲:۵۰، پس مذکورہ بالا تخریج درست ہے۔ ۴ ستمبر ۶۳۱ عیسوی جیولین کا دن = (۶۳۰ × ۱.۲۵ کا حاصل ضرب بحذف کسر) + ۲۴۷ = ۱۰۳۴، (۱۰۳۴ تقسیم ۷ کا باقی ماندہ) = ۵ = بدھ

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۴ ستمبر ۶۳۱ عیسوی	بدھ	یکم محرم ۱۰ ہجری	یکم جمادی الاخریٰ ۱۰ ہجری	۲ ستمبر	۰۲:۵۰
۱۳ اکتوبر	جمعرات	یکم محرم (کبیسہ)	یکم رجب	یکم اکتوبر	۱۲:۱۴
۲ نومبر	ہفتہ	یکم صفر	یکم شعبان	۳۰ اکتوبر	۲۱:۵۷
یکم دسمبر	اتوار	یکم ربیع الاول	یکم رمضان	۲۹ نومبر	۰۸:۳۳
۳۱ دسمبر	منگل	یکم ربیع الثانی	یکم شوال	۲۸ دسمبر	۲۰:۳۶
۲۹ جنوری ۶۳۲ عیسوی	بدھ	یکم جمادی الاولیٰ	یکم ذی قعدہ	۲۷ جنوری	۰۹:۴۳
۲۷ فروری (مکی رؤیت)	جمعرات	یکم جمادی الاخریٰ	یکم ذی الحجہ	۲۶ فروری	۰۰:۰۶

۲۸فروری (مدنی رویت)	جمعہ	..	..	..	..
۲۸مارچ (مکی رویت)	ہفتہ	نسی منسوخ	یکم محرم ۱۱ ہجری	۲۶مارچ	۱۵:۱۰
۲۹،مارچ (مدنی رویت)	اتوار	..	..	..	..
۲۷اپریل (مکی رویت)	سوموار		یکم صفر	۲۵اپریل	۰۶:۳۰
۲۸اپریل (مدنی رات)	منگل		..	..	..
۲۷مئی (مکی رویت	بدھ		یکم ربیع الاول	۲۴مئی	۲۱:۴۶
۲۸مئی (مدنی رویت)	جمعرات				
۲۶جون	جمعہ		یکم ربیع الثانی	۲۳جون	۱۲:۳۴
۲۵جولائی	ہفتہ		یکم جمادی الاولیٰ	۲۳جولائی	۰۲:۳۸
۲۳اگست	اتوار		یکم جمادی الاخریٰ	۲۱اگست	۱۵:۱۰
۲۲ستمبر	منگل		یکم رجب	۲۰ستمبر	۰۲:۴۳
۲۱اکتوبر	بدھ		یکم شعبان	۱۹اکتوبر	۱۳:۲۲
۲۰نومبر	جمعہ		یکم رمضان	۱۸نومبر	۰۰:۱۱
۱۹دسمبر	ہفتہ		یکم شوال	۱۷دسمبر	۱۰:۵۹

۱۸جنوری ۶۳۳ء	سوموار	یکم ذی قعدہ	۱۵جنوری	۲۲:۰۱
۱۶فروری	منگل	یکم ذی الحجہ	۱۴فروری	۰۹:۱۷
۱۸مارچ	جمعرات	یکم محرم ۱۲ہجری	۱۵مارچ	۲۰:۵۴

مذکورہ تقابلی تقویمی جدول میں ہم نے سابقہ جداول کے برعکس سال ۱۱ ہجری قمری کی پوری تقابلی جدول کے ساتھ ۱۲ ہجری قمری کے محرم کا بھی عیسوی تاریخ سے تقابل پیش کر دیا ہے، تاکہ آئندہ مباحث کے سمجھنے میں سہولت پیدا ہو، سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۱۰۔۱۱ ہجری قمری کے واقعات و حوادث کے فرداً فرداً توقیتی مباحث سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تقابلی جدول پر پیدا ہونے والے اشکالات کو زیر بحث لاکر آئندہ توقیتی مباحث کے سلسلے میں اکثر شبہات واعتراضات کا پہلے ہی سے سدباب کر دیا جائے۔ یہاں درج ذیل امور توجہ طلب ہیں:

(الف) جدول کا بغور مطالعہ کرنے سے واضح ہوگا کہ مکی رؤیت ہلال کے اعتبار سے سال ۱۱ ہجری قمری کے تین مہینے محرم صفر ربیع الاول اور اس سے متصل پہلے سال ۱۰ ہجری قمری کا آخری مہینہ ذی الحجہ یعنی چاروں مہینے لگاتار تیس، تیس دن کے ہوئے۔ سال ۱۱ ہجری کے سات ماہ محرم، صفر، ربیع الاول جمادی الاخریٰ، شعبان، شوال اور ذی الحجہ تیس تیس دن کے اور باقی پانچ ماہ انتیس انتیس دنوں کے ہوئے۔ سال کے کل دنوں کی تعداد ۳۵۵ دن ہوئی۔

(ب) مکی رویت ہلال کے اعتبار سے ذی الحجہ ۱۰ ہجری کے وقت قران کو دیکھا جائے تو کوئی اٹھارہ گھنٹے کی عمر کا چاند نظر آ گیا۔ علم ہیئت کے مشہور قواعد کے مطابق رؤیت کے لئے چاند کی عمر کم از کم بیس گھنٹے ہونی چاہئے لیکن ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری (یوم عرفہ) کو جمعہ کا دن ہونا تواتر سے ثابت ہے، اس سے صاف واضح ہے کہ مکی رویت ہلال کے اعتبار سے یکم ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق ۲۷ فروری ۶۳۲ عیسوی جیولین کو جمعرات کا دن تھا، لہذا ۲۶ فروری ۶۳۲ عیسوی جیولین کو مغرب کے وقت نظر آنے والے ہلال کی عمر کوئی اٹھارہ گھنٹے تھی۔ گو اتنی عمر کے چاند کے نظر آنے کی صورتیں نادر الوقوع ہیں، لیکن محال نہیں البتہ مدنی رویت ہلال کے مطابق چاند ایک دن بعد نظر آیا، جیسا کہ حجۃ الوداع کے توقیتی مباحث میں انشاء اللہ بخوبی واضح کیا جائے گا۔

(ج) مدنی رویت ہلال کے مطابق سال ۱۱ ہجری قمری میں محرم، صفر، جمادی الاخریٰ، شعبان،

شوال اور ذی الحجہ کے چھ مہینے تیس تیس دن کے اور بقیہ چھ مہینے ۲۹، ۲۹ دن کے ہوئے سال کے کل دنوں کی تعداد ۳۵۴ دن ہوئی۔

(د) مدنی رویت کے اعتبار سے سال ۱۰ ہجری قمری کے آخری دو مہینے ذی قعدہ اور ذی الحجہ اور اس کے بعد سال ۱۱ ہجری قمری کے پہلے دو مہینے محرم اور صفر یعنی کل چار مہینے لگاتار تیس تیس دن کے ہوئے، اور پھران سے متصل تین مہینے ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ ۱۱ ہجری قمری لگاتار انتیس انتیس دن کے ہوئے۔ حالانکہ ماہرین ہیئت کے نزدیک زیادہ سے زیادہ تین مہینے تیس دنوں کے اور زیادہ سے زیادہ دو مہینے انتیس دنوں کے ہو سکتے ہیں۔ اس اشکال کا نہایت اطمینان بخش جواب موجود ہے۔ مطلع ابر آلود ہونے یا کسی بھی وجہ سے چاند نظر نہ آنے کی صورت میں چار قمری مہینے مسلسل تیس تیس دن کے اور ان کے بعد متصل تین قمری مہینے مسلسل ۲۹ دن کے ہو سکتے ہیں، گو یہ نادر الوقوع ہے لیکن خارج میں ایسا ہونا محال نہیں ہے۔ ماضی کے برعکس جدید سائنسی دور میں ہمیں مواصلات اور ذرائع رسل و رسائل کی جدید ترین سہولتیں حاصل ہیں۔ رؤیت ہلال کے لئے (مثلاً اسلامی جمہوریہ پاکستان میں) کمیٹیاں قائم کی جاتی ہیں جو رویت ہلال کی شہادتیں جمع کرتی ہیں اور پھران پر غور وفکر کر کے رویت یا عدم رویت ہلال کا فیصلہ صادر کرتی ہیں ہم سالہائے ۱۴۱۵ ہجری اور ۱۴۱۶ ہجری کے متعلقہ قمری مہینوں کی پاکستانی رویت ہلال کمیٹی کے فیصلوں کی روشنی میں جدول پیش کئے دیتے ہیں جس سے مذکورہ بالا اشکال بخوبی رفع ہو جاتا ہے:

عیسوی گریگورین	دن	قمری ہجری	قمری مہینے کے دن	پاکستانی معیاری وقت کے مطابق تاریخ اور وقت قران	بمطابق قواعد متوقع تاریخ رویت کے مطابق عیسوی تاریخ	بمطابق قواعد قمری مہینے کے دنوں کی متوقع تعداد
یکم مئی ۱۹۹۵ء	سوموار	یکم ذی الحجہ ۱۴۱۵ ہجری	۳۰	۲۹ اپریل بوقت ۲۲:۳۶	یکم مئی	۳۰
۳۱ مئی	بدھ	یکم محرم ۱۴۱۶ ہجری	۳۰	۲۹ مئی بوقت ۱۴:۲۷	۳۱ مئی	۳۰

۳۰ جون	جمعہ	یکم صفر	۳۰	۲۸ جون بوقت ۰۵:۵۰	۳۰ جون	۲۹
۳۰ جولائی	اتوار	یکم ربیع الاول	۳۰	۲۷ جولائی بوقت ۲۰:۱۳	۲۹ جولائی	۳۰
۲۹ اگست	منگل	یکم ربیع الثانی	۲۹	۲۶ اگست بوقت ۰۹:۳۱	۲۸ اگست	۲۹
۲۷ ستمبر	بدھ	یکم جمادی الاولیٰ	۲۹	۲۴ ستمبر بوقت ۲۱:۵۵	۲۶ ستمبر	۳۰
۲۶ اکتوبر	جمعرات	یکم جمادی الاخریٰ	۲۹	۲۴ اکتوبر بوقت ۰۹:۳۶	۲۶ اکتوبر	۲۹
۲۴ نومبر	جمعہ	یکم رجب	(غیر متعلق)	۲۳ نومبر بوقت ۲۰:۴۳	۲۴ نومبر	(غیر متعلق)

مذکورہ بالا جدول کے مطالعے سے معلوم ہو رہا ہے کہ ذی الحجہ ۱۴۱۵ ہجری سے ربیع الاول ۱۴۱۶ ہجری تک مسلسل چار مہینے تیس تیس دن کے ہوئے اور ان کے متصل بعد ربیع الثانی ۱۴۱۶ ہجری سے جمادی الاخریٰ ۱۴۱۶ ہجری تک تین مہینے لگاتار ۲۹، ۲۹ دن کے ہوئے۔ نیز ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ تینوں مہینوں کی رویت بمطابق قواعد ایک دن مقدم ہونی چاہئے تھی، لیکن یہ ایک دن مؤخر ہوئی۔ جدول میں ہم نے بمطابق فلکی قواعد رویت ہلال کی متوقع عیسوی تواریخ اور قمری مہینوں کے دنوں کی بمطابق قواعد متوقع تعداد بھی ظاہر کر دی ہے، جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ قواعد اپنی جگہ پر درست ہیں۔ ان کی بظاہر خلاف ورزی کسی نہ کسی وجہ سے عدم رویت ہلال کی بنا پر ہوئی ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ ہم

نے جدول میں جو متوقع تواریخ رویت دی ہیں، یہ دراصل چاند کے مہینے کی پہلی تاریخ کے بالمقابل دن کے وقت کی عیسوی تواریخ ہیں، ورنہ چاند تو ایک دن پہلے غروب شمس کے بعد نظر آیا تھا۔ مثلاً ہم نے یکم ذی الحجہ ۱۴۱۵ ہجری کی متوقع (عیسوی) تاریخ رویت یکم مئی ۱۹۹۵ عیسوی لکھی ہے، چاند ۳۰ اپریل کو غروب شمس کے بعد نظر آیا تھا اور یکم مئی کو یکم ذی الحجہ ہوئی۔

(ھ) مدنی رویت ہلال کے مطابق ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری سے ربیع الثانی ۱۱ ہجری قمری تک کے لگاتار پانچ مہینوں میں رویت ہلال ایک دن مؤخر ہوئی، حالانکہ بمطابق قواعد ایک دن مقدم ہونی چاہئے تھی یعنی اپنی اصل تواریخ پر ہونی چاہئے تھی لیکن مسلسل پانچ ماہ تک یہ ایک دن مؤخر ہوتی رہی۔ اس اشکال کا بھی نہایت اطمینان بخش جواب موجود ہے۔ اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے ہم سالہائے ۱۴۰۸ ہجری اور ۱۴۰۹ ہجری کے متعلقہ قمری مہینوں کی جدول پاکستانی رویت ہلال کمیٹی کے فیصلوں کی روشنی میں پیش کر رہے ہیں:

عیسوی گریگورین	دن	قمری ہجری	قمری مہینے کے دن	تاریخ اور وقت قران بمطابق پاکستانی معیاری وقت	بمطابق قواعد یکم قمری ہجری مہینے کے مقابل متوقع عیسوی تاریخ	بمطابق قواعد قمری مہینے کے متوقع دن
۱۶ جون ۱۹۸۸ء	جمعرات	یکم ذی قعدہ ۱۴۰۸ ہجری	۳۰	۱۴ جون بوقت ۱۴:۱۴	۱۶ جون	۳۰
۱۶ جولائی	ہفتہ	یکم ذی الحجہ	۳۰	۱۴ جولائی بوقت ۰۲:۵۳	۱۶ جولائی	۲۹
۱۵ اگست	سوموار	یکم محرم ۱۴۰۹ ہجری	۳۰	۱۲ اگست بوقت ۱۷:۳۱	۱۴ اگست	۳۰

۱۴ستمبر	بدھ	یکم صفر	۳۰	۱۱ستمبر بوقت ۰۹:۴۹	۱۳ستمبر	۳۰
۱۴ اکتوبر	جمعہ	یکم ربیع الاول	۲۹	۱۱ اکتوبر بوقت ۰۲:۴۹	۱۳ اکتوبر	۲۹
۱۲نومبر	ہفتہ	یکم ربیع الثانی	۳۰	۹نومبر بوقت ۱۹:۲۰	۱۱نومبر	۳۰
۱۲دسمبر	سوموار	یکم جمادی الاولیٰ	(غیر متعلق)	۹دسمبر بوقت ۱۰:۳۶	۱۱دسمبر	(غیر متعلق)

مذکورہ بالا جدول کے مطالعے سے واضح ہورہا ہے کہ ذی قعدہ ۱۴۰۸ ہجری سے صفر ۱۴۰۹ ہجری تک لگاتار چار مہینے تیس تیس دن کے ہوئے، نیز محرم ۱۴۰۹ ہجری سے جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ ہجری تک لگاتار پانچ ماہ تک رویت ہلال بمطابق قواعد ایک دن مقدم ہونی چاہئے تھی لیکن یہ اصل تواریخ سے ایک دن مؤخر ہوتی رہی۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ سال ۱۰، اور ۱۱ ہجری کے قمری مہینوں میں مدنی رویت ہلال پر یہ اعتراض ویسے بھی صحیح نہیں ہے کہ رویت لگاتار پانچ ماہ تک ایک دن مؤخر ہوتی رہی۔ دراصل بمطابق قواعد یہ فرق محرم ۱۱ ہجری قمری سے ربیع الثانی ۱۱ ہجری تک کل چار مہینوں میں پڑا ہے۔ جہاں تک ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کا تعلق ہے تو تاریخ اور وقت قران ۲۶ فروری ۶۳۲ عیسوی جیولین بوقت ۰۶:۰۰ ہے۔ چونکہ ۲۶ فروری کو غروب شمس کے وقت تک چاند کی عمر بیس گھنٹے سے کم یعنی کوئی اٹھارہ گھنٹے بنتی ہے، لہذا عام قواعد کے مطابق چاند ۲۷ فروری ۶۳۲ عیسوی جیولین کو بوقت مغرب نظر آنا چاہئے اور ۲۸ فروری ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز جمعہ یکم ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری ہونی چاہئے چنانچہ مدنی رؤیت ایسے ہی ہوئی، گو کہ رویت بظاہر ایک دن مقدم ہوئی، کیونکہ بعض نادر صورتوں میں ۱۸ گھنٹے کی عمر کا چاند بھی نظر آسکتا ہے، لہذا مدنی رویت میں رویت ہلال میں ایک دن کی حقیقی تاخیر صرف چار ماہ میں ہوئی ہے۔ تاہم ایسی تاخیر لگاتار پانچ ماہ میں بھی ہوجائے تو دور حاضر میں بھی اس کی مثال ہم نے مذکورہ بالا جدول میں پیش کردی ہے، لہذا اشکال کالعدم ہے

(و) ایک اعتراض عموماً یہ کیا جاتا ہے کہ بعض حضرات مشہور تاریخوں کو درست ثابت کرنے کے لئے محض تخیل کے زور پر تین تین چار چار مہینوں کو کبھی مسلسل ۲۹ دنوں کا اور کبھی مسلسل ۳۰ دنوں کا شمار کر لیتے ہیں، حالانکہ علوم فلکیات کی رو سے ایسا ہونا ممکن نہیں۔(۲/۷۹) اس کا جواب یہ ہے کہ راقم الحروف بحمداللہ ان حضرات میں شامل نہیں ہے جو محض تخیل کے زور پر قمری مہینوں کے دن شمار کرتے ہوں، سطور بالا میں جداول پیش کی جا چکی ہیں۔ قران شمس وقمر کے اوقات اور تواریخ قران بھی پیش کر دی گئی ہیں۔ پاکستانی رویت ہلال کمیٹی کے فیصلوں کی روشنی میں تواریخ رویت ہلال کے مطابق قمری مہینوں کی پہلی تاریخ کے بالمقابل عیسوی تواریخ بھی پیش کر دی گئی ہیں۔ یہ سب کچھ تخیل کے زور پر نہیں بلکہ خارج میں نمودار ہونے والے حقائق ثابتہ ہیں۔

(ز) ایک شبہہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا فاصلہ اتنا زیادہ نہیں کہ ان کا مطلع مختلف ہو، لہذا دونوں شہروں میں رویت ہلال کا اختلاف نہیں ہوسکتا۔ یہ شبہ بالکل لغو ہے۔ جن علاقوں کا مطلع ایک ہو اگر ان میں رویت ہلال کا اختلاف نفس الامر میں ہوا ہی نہ کرے تو رویت ہلال کمیٹیاں قائم کرنے کی ضرورت ہی کیا رہی؟ ممکن ہے ایک مقام پر مطلع صاف ہو اور دوسرے پر ابر آلود یا گرد آلود ہو یا ایک مقام پر رویت ہلال کا خاص انتظام کیا گیا ہو اور دوسرے علاقے میں ایسا خاص اہتمام نہ ہو، وغیرہ ایسے امور ہیں جن سے ایک ہی مطلع والے علاقوں میں رؤیت ہلال کی تاریخ میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً غزوہ فتح مکہ کے لئے روانگی ۱۰ رمضان ۸ ہجری (قمریہ شمسی) بروز بدھ اور فتح مکہ کی تاریخ ۲۰ رمضان ۸ ہجری (قمریہ شمسی) بروز جمعہ کی بیان کی جاتی ہے (۸۰) اگر ۲۰ رمضان کو جمعہ ہو تو ۱۰ رمضان کو بدھ نہیں بلکہ منگل ہونا چاہئے پس مدینہ منورہ میں چاند ایک دن بعد نظر آیا۔ حجۃ الوداع کے توقیتی مباحث میں ہم انشاء اللہ واضح کریں گے کہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری (یوم عرفہ) کو مکی رویت کے اعتبار سے جمعہ کا دن تھا، لیکن مدنی رویت ہلال کے اعتبار سے یہ تاریخ ۸ ذی الحجہ تھی یعنی مدینے میں چاند اس مرتبہ بھی ایک دن بعد نظر آیا (۸۱)

(ح) ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی رویت ہلال میں مسلسل چار پانچ ماہ تک ایک دن کا فرق رہا ہو تو فرض کیا جائے کہ اس دوران مکہ میں کوئی مہینہ ۳۰ کی بجائے ۲۹ دن کا ہو تو یہ فرق ایک دن کی بجائے دو دن کا ہو گیا اور اگر دو مہینے ۲۹ دن کے ہوں تو تین دن کا فرق پڑ گیا۔ ماہرین فلکیات معمولی تفاوت ہی نہیں طویل سے طویل فاصلے کے دو شہروں کی رویت ہلال میں اس طرح کئی مہینوں تک ایک دن کے مسلسل فرق کو تسلیم نہیں کرتے چہ جائیکہ یہ دو تین دن تک بڑھ جائے (۸۲)

مذکورہ بالا اعتراض کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ اس دوران مکہ میں کوئی مہینہ ۳۰ کی بجائے ۲۹ دن کا ہو جاتا یا دو مہینے ۲۹ دن کے ہو جاتے تو دونوں شہروں کی رؤیت میں ایک دن کی بجائے دو یا تین دن کا فرق پڑ جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوقاتِ قران کی روشنی میں جب کسی مہینے کا تیس دن کا ہونا یقینی طور پر ثابت ہو جائے تو مذکورہ طرز کے مفروضات قائم کرنے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ البتہ قواعد کے مطابق کوئی مہینہ ۲۹ دن کا ہو تو کسی وجہ سے چاند نظر نہ آنے کی صورت میں وہ تیس دن کا ہو سکتا ہے اب اگر اگلا مہینہ بھی ۲۹ دن کا ہو اور چاند فی الواقع بروقت نظر آ جائے تو یہ مہینہ ۲۸ دن کا رہ جائے گا لہذا لوگ از خود حساب درست کر لیں گے یہاں بھی مفروضات کی گنجائش نہیں ہے۔ ابو ریحان البیرونیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک مرتبہ شعبان ۲۹ دن کا تھا لیکن رمضان کا چاند نظر نہ آنے کی وجہ سے شعبان کو ۳۰ دن کا شمار کر لیا گیا۔ اگلا مہینہ رمضان بھی ۲۹ دن کا تھا۔ شوال کا چاند بروقت نظر آ گیا تو پتہ چلا کہ لوگوں نے رمضان کے اٹھائیس روزے ہی رکھے ہیں کہ شوال کا چاند نظر آ گیا ہے۔ حضرت علیؓ نے عید الفطر کے بعد ایک اور روزہ رکھ کر ۲۹ روزے پورے کرنے کا حکم دیا (۸۳) باقی رہا فلکی قواعد کا حوالہ کہ چار مہینے مسلسل تیس تیس دن کے اور تین مہینے مسلسل انتیس، انتیس دن کے نہیں ہو سکتے تو یہ قواعد اپنی جگہ پر درست سہی لیکن کسی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو چار مہینوں کا لگاتار تیس تیس دن کا اور تین مہینوں کا لگاتار انتیس، انتیس دن کا ہونا محال نہیں گو نادر الوقوع ہے۔ دور نبوی تو ایک طرف رہا ہم گزشتہ صفحات میں دور حاضر کی پندرہویں صدی ہجری میں بھی اس کی مثال پیش کر چکے ہیں کہ ایسا ہوا ہے بلکہ تیس تیس دنوں کے چار مہینے اور ان کے بعد متصل ہی انتیس انتیس دنوں کے تین مہینے ہوئے ہیں۔ الغرض یہ امور نادر الوقوع ضرور ہیں لیکن خارج میں ظہور کے اعتبار سے محال نہیں بلکہ مدنی رویت پر اشکالات اتنے وزنی نہیں جتنا مکی رویت پر یہ اشکال وارد ہو رہا ہے کہ ذی الحجہ کا چاند صرف اٹھارہ گھنٹے کی عمر کا نظر آ گیا، جب کہ مدینہ میں یہ عام معمول کے مطابق اگلے روز نظر آیا۔ یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کو بلحاظ مکی رویت بالاتفاق جمعہ کا دن تھا۔

دور حاضر ہی کو لیجئے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ پاکستانی رویت ہلال کمیٹی نے پورے ملک میں صرف دو چار مقامات میں چاند نظر آنے کی شہادتوں کو شرعاً معتبر سمجھتے ہوئے پورے ملک کے لئے رویت ہلال کا اعلان کر دیا، حالانکہ باقی علاقوں مثلاً بھاولپور میں کہیں بھی چاند نظر نہ آیا تھا۔ رمضان المبارک اور عیدین کے لئے رویت ہلال کا عوام و خواص بڑی حد تک خصوصی اہتمام کرتے ہیں جبکہ دیگر قمری مہینوں کے لئے ایسا اہتمام عام لوگ کرتے ہی نہیں۔ اگر ہر علاقے میں ہر ماہ کی رؤیت ہلال کو خصوصی طور پر ملحوظ

رکھتے ہوئے بین الاضلاعی رؤیت اور عدم رویت ہلال کا تقابل کیا جائے تو ایک ہی مطلع کے مختلف علاقوں میں لگاتار چند ماہ تک ایک دن کا تفاوت اس سائنسی دور میں بھی عین ممکن ہے۔ سال ۱۰ ہجری قمری کے آخری مہینے اور سال ۱۱ ہجری قمری کے ابتدائی مہینوں میں مکی و مدنی رویت ہلال کے اس نادر مگر ممکن الوقوع تفاوت میں ایک حکمت یہ بھی پنہاں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور وصال مبارک کے قمری ایام سے خود ساختہ رسوم ایجاد کر کے انہیں دین میں داخل کرنے کا کسی کو موقع اور بہانہ نہ مل سکے۔ مدنی رویت کے اعتبار سے یقیناً آپ کا وصال مبارک ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری بمطابق ۸ جون ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز سوموار ہوا، جیسا کہ آئندہ صفحات میں متعلقہ مقام پر اس کی وضاحت ہوگی۔ مکی رویت ہلال کے مطابق یہ تاریخ ۱۳ ربیع الاول تھی، یعنی دور دراز کے علاقوں کا تو کیا ذکر، خود مکہ مکرمہ میں ایک دن کا فرق پڑ گیا۔ قمری تواریخ میں ایسا ابہام معنیٰ خیز ہے اس تفاوت سے خود ساختہ رسوم شرعاً تو کالعدم ہیں ہی، عقلاً بھی ناقابل قبول ٹھہرتی ہیں۔

(ط) ایک شبہہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ کسی نہ کسی وجہ سے بعض انتہائی اہم اور مشہور واقعات کی صحیح تاریخ کو مقدم و مؤخر کر دیا جاتا ہے، مثلاً پاکستان کا قیام ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوا تھا لیکن بعد میں اسے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کر دیا گیا حالانکہ قیام پاکستان کی قمری تاریخ بالاتفاق ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ ہجری ہے اور یہ تاریخ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بالمقابل ہے (۸۴) یہ شبہہ اس لئے صحیح نہیں کہ دور حاضر میں عیسوی تقویم میں اگلے دن اور اگلی تاریخ کا آغاز رات کے بارہ بجے کے بعد ہوتا ہے جبکہ قمری تقویم میں اگلے دن اور اگلی تاریخ کا آغاز سورج غروب ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ عیسوی کا سورج غروب ہونے کے بعد رمضان المبارک کی ۲۷ تاریخ شروع ہو چکی تھی جو اگلے روز ۱۵ اگست کو سورج غروب ہونے تک برقرار رہی۔ اگر قیام پاکستان کا اعلان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو رات بارہ بجے یا اس سے پہلے ہوا ہو تو عیسوی تاریخ ۱۴ اگست ہوگی۔ اگر رات بارہ بجے کے بعد ہوا ہو تو عیسوی تاریخ ۱۵ اگست ہوگی لیکن دونوں صورتوں میں ہجری تاریخ ۲۷ رمضان المبارک ہی رہے گی۔ لہٰذا یہ مثال دور نبوی کے زیر بحث مکی و مدنی رویت ہلال کے تفاوت پر چسپاں ہی نہیں ہوتی۔

اب ہم سال ۱۰ ہجری قمری یہ شمسی بمطابق ۱۰۔۱۱ ہجری قمری کے واقعات و حوادث کی توقیت کو فرداً فرداً زیر بحث لاتے ہیں۔

(۱) سریہ خالدؓ بن ولید بجانب یمن

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
یکم دسمبر ۶۳۱ء	اتوار	یکم ربیع الاول ۱۰ ہجری	یکم رمضان ۱۰ ہجری	۲۹ نومبر	۰۸:۳۳

ابن سعد نے اس سریے کا مہینہ ربیع الاول ۱۰ ہجری بیان کیا ہے (۸۵) ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ یہ سریہ ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری کا ہے (۸۶) یہ ربیع الاول قمریہ شمسی تقویم کا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ اہل سیر و مغازی کی تصریحات کے مطابق رمضان ۱۰ ہجری میں سریہ علیؓ بن ابی طالب بھیجا گیا تھا (۸۷) اندریں سلسلہ حضرت براءؓ بن عازب کی روایت یوں ہے، ان النبی ﷺ بعث الی الیمن جیشین امّر علیٰ احدھما علیًا و علی الأخر خالد او قال ان کان القتال فعلیّ (۸۸) بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی جانب دو لشکر بھیجے۔ ان میں سے ایک پر حضرت علی کو اور دوسرے پر حضرت خالدؓ کو امیر بنایا اور فرمایا کہ اگر جنگ ہو تو علی (سپہ سالار) ہونگے"۔

یہ رمضان ۱۰ ہجری یقیناً قمری تقویم کا ہے جو ربیع الاول ۱۰ ہجری قمریہ شمسی کے بالمقابل تھا۔ عیسوی مہینہ دسمبر ۶۳۱ عیسوی جیولین تھا جیسا کہ مذکورہ بالا جدول سے واضح ہے۔ یوں دونوں سرایا کا ایک ہی مہینہ ہے۔ سیرت نگاروں نے حضرت خالدؓ بن ولید کے سریے کی توقیت قمریہ شمسی تقویم میں اور حضرت علیؓ کے سریے کی توقیت قمری تقویم میں کر دی۔ ورنہ بموجب روایت حضرت براء رضی اللہ عنہ یہ ممکن نہ تھا کہ دونوں سرایا میں کوئی چھ ماہ کا فرق ہو اور بصورت قتال دونوں کی کمان حضرت علیؓ سنبھالیں۔

ابن اسحٰق نے اس سریے کو ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری کا واقعہ قرار دیا ہے۔ ابن اسحٰق کا اسے ربیع الثانی ۱۰ ہجری کا واقعہ قرار دینا اس لئے ہے کہ حج ابی بکر صدیقؓ کے بعد مشرکین پر حج و عمرہ نہ کرنے کی پابندی عائد کر دی گئی تھی، لہذا ذی الحجہ ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری قمری بمطابق اگست ۶۳۱ عیسوی جیولین میں قلمس یا ناسی کو یہ موقع نہیں مل سکا تھا کہ وہ حسب دستور سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی کے مکبوس سال کے لئے کبیسہ کے مہینے کا اعلان کر پاتا۔ لوگوں نے از خود ہی کبیسہ کا مہینہ محرم کے بعد ڈال دیا اور کچھ نے نہیں ڈالا۔ اگر کبیسہ کا مہینہ محرم ۱۰ ہجری قمریہ شمسی کے بعد نہ ڈالا جائے تو رمضان ۹

ہجری قمری کے بالمقابل قمریہ شمسی مہینہ ربیع الثانی کا آتا ہے۔ اگر محرم کے بعد کبیسہ ڈالا جائے تو قمریہ شمسی مہینہ ربیع الاول کا آتا ہے۔

جن لوگوں نے سریہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مہینہ جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری لکھا ہے، انہیں اس وجہ سے اختلاط والتباس ہوا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نجران کے لوگوں کا ایک وفد لے کر مدینہ منورہ آئے تھے، یہ وفد اوائل ذی قعدہ ۱۰ ہجری میں مدینہ سے واپس ہوا تھا (۸۹) یہ ذی قعدہ دراصل قمری تقویم کا ہے جس کے بالمقابل قمریہ شمسی مہینہ جمادی الاولیٰ کا تھا۔ تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۲۹ جنوری ۶۳۲ عیسوی	بدھ	یکم جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری	یکم ذی قعدہ ۱۰ ہجری	۲۷ جنوری	۰۹:۴۳

مذکورہ جدول سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید کے ہمراہ آنے والے وفد کی مدینے سے واپسی جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق فروری ۶۳۲ عیسوی جیولین میں ہوئی ورنہ اس وفد کا جمادی الاولیٰ سے ذی قعدہ تک کوئی چھ ماہ تک مدینہ منورہ میں قیام کئے رکھنا قرین فہم نہیں ہے۔ مدینہ سے اس وفد کی واپسی کے قمریہ شمسی مہینے کو غلطی سے سریہ خالدؓ بن ولید کی روانگی کا مہینہ سمجھ لیا گیا۔ پس سریہ خالدؓ بن ولید بجانب یمن ربیع الاول ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رمضان ۱۰ ہجری قمری بمطابق دسمبر ۶۳۱ عیسوی جیولین کا واقعہ ہے۔

(۲) سریہ علیؓ بن ابی طالب بجانب یمن

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ حسب سابق ہے۔ جیسا کہ سریہ خالدؓ بن ولید کے توقیتی مباحث میں مذکور ہو چکا ہے، سریہ علیؓ بن ابی طالب کا مہینہ بھی ربیع الاول ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رمضان ۱۰ ہجری قمری بمطابق دسمبر ۶۳۱ عیسوی جیولین ہے۔

(۳) وفات حضرت ابراہیم بن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۳۱ دسمبر ۶۳۱ عیسوی	منگل	یکم ربیع الثانی ۱۰ ہجری	یکم شوال ۱۰ ہجری	۲۸ دسمبر	۲۰:۳۶

حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے دن سورج گرہن ہوا تھا جس کی تاریخ اہل ہیئت کے نزدیک ۲۷ جنوری ۶۳۲ عیسوی جیولین ہے (۹۰) مذکورہ جدول سے واضح ہے کہ اگر ۳۱ دسمبر کو چاند کی پہلی تاریخ ہو تو ۲۷ جنوری کو قمری تاریخ ۲۸ ہوگی، پس حضرت ابراہیمؓ کا یوم رحلت ۲۸ ربیع الثانی ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۲۸ شوال ۱۰ ہجری قمری بمطابق ۲۷ جنوری ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز سوموار ہے۔ حضرت ابراہیمؓ شیر خوارگی کے زمانے میں ہی رحلت فرما گئے تھے، مشہور قول کے مطابق ان کی عمر سترہ ماہ تھی۔ شوال کا مہینہ قمری سال کا دسواں مہینہ ہوتا ہے، اس میں گذشتہ سال کے بارہ ماہ جمع کئے اور پھر ان سے سترہ ماہ منہا کئے تو جمادی الاولیٰ ۹ ہجری قمری کا مہینہ برآمد ہوا۔ یہی حضرت ابراہیمؓ کی ولادت کا قمری تقویم کا مہینہ ہے۔ مذکورہ بالا جدول میں وفات کا قمریہ شمسی مہینہ ربیع الثانی ۱۰ ہجری قمریہ شمسی مذکور ہے۔ ربیع الثانی، سال کا چوتھا مہینہ ہوتا ہے لیکن سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی چونکہ مکبوس (نسی کے مہینے والا) سال ہے اور اس میں محرم کے بعد کبیسہ کا مہینہ بھی ڈالا گیا ہے، لہذا ربیع الثانی قمریہ شمسی سال ۱۰ ہجری کا پانچواں مہینہ ہوا اس میں گذشتہ دو سالوں کے چوبیس مہینے جمع کر کے ان سے سترہ مہینے منہا کئے جائیں تو سال ۸ ہجری قمریہ شمسی کا بارہواں مہینہ یعنی ذی الحجہ ۸ ہجری قمریہ شمسی برآمد ہوگا، چنانچہ اہل سیر نے حضرت ابراہیمؓ کی ولادت کا یہی مہینہ بیان کیا ہے (۹۱) تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے :

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۱۶ اگست ۶۳۰ عیسوی	جمعرات	یکم ذی الحجہ ۸ ہجری	یکم جمادی الاولیٰ ۹ ہجری	۱۴ اگست	۰۲:۰۶

اہل سیر و مغازی نے حضرت ابراہیم کی وفات کی تاریخ ۱۰ ربیع الاول ۱۰ ہجری بروز منگل کی بیان کی ہے (۹۲) البتہ مواہب لدنیہ میں تاریخ ۲۸/۲۹ بیان کی گئی ہے (۹۳) لیکن شروع میں دیئے گئے تقابلی تقویمی جدول کے متعلقہ حصے سے واضح ہے کہ یوم وفات ۲۸ ربیع الثانی ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۲۸ شوال ۱۰ ہجری قمری بمطابق ۲۷ جنوری ۶۳۲ عیسوی جیولین ہے دن سوموار تھا اس توقیت کے یقیناً صحیح ہونے کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؓ کے یوم وفات پر سورج گرہن ہوا تھا۔ سورج گرہن کی یقینی

تواریخ کو معلوم کر لینا علم ہیئت میں بالکل ممکن ہے۔

مذکورہ بالا مباحث سے معلوم ہوا کہ سیرت نگاروں نے حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وفات دونوں کی توقیت قمریہ شمسی تقویم میں کی ہے اور یہ بھی قطعیت سے ثابت ہو گیا کہ عربوں میں دور جاہلیت سے چلی آ رہی قمریہ شمسی تقویم میں محرم کا آغاز موسم خزاں میں ہوا کرتا تھا کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کی ولادت کا قمریہ شمسی مہینہ ذی الحجہ ۸ ہجری قمریہ شمسی ہے، جس کے بالمقابل عیسوی مہینہ اگست ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے، اگر محرم قمریہ شمسی کا آغاز ستمبر سے ہو تو ذی الحجہ قمریہ شمسی کا مہینہ ٹھیک اگست کے بالمقابل ہوگا۔

(۴) حجۃ الوداع

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ یوں ہے :

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۲۹ جنوری ۶۳۲ عیسوی	بدھ	یکم جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری	یکم ذی قعدہ ۱۰ ہجری	۲۷ جنوری	۰۹:۴۳
۲۷ فروری (مکی رویت)	جمعرات	یکم جمادی الاخریٰ	یکم ذی الحجہ	۲۶ فروری	۰۰:۰۶
۲۸ فروری (مدنی رویت)	جمعہ	//	//	//	//

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق حجۃ الوداع کے لئے روانگی کے دن ذی قعدہ کے ختم ہونے میں پانچ دن باقی تھے اور بروایت حضرت انسؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی چار رکعت نماز پڑھ کر مدینہ سے روانہ ہوئے تھے (۹۴) اس سے ثابت ہوا کہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری کو جمعہ کا دن نہیں تھا ورنہ آپ ﷺ جمعہ کی نماز پڑھاتے۔ جمعرات کا دن بھی نہیں تھا، کیونکہ ۲۵ ذی قعدہ کو جمعرات ہو اور ذی قعدہ ۳۰ دن کا ہو تو یکم ذی الحجہ قمری کو بدھ کا دن ہوگا اور یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کو جمعرات کا دن برآمد ہوگا۔ اگر ذی قعدہ کا مہینہ ۲۹ دن کا لیا جائے اور ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری کو

جمعرات ہوتو یکم ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کو منگل کا اور یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کو بدھ کا دن بنے گا حالانکہ یوم عرفہ کو بالاتفاق جمعہ کا دن تھا پس ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری کو لامحالہ ہفتہ کا دن ہوا۔ مذکورہ بالا تقابلی تقویمی جدول سے بھی اسکی تصدیق ہورہی ہے۔ ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری کے مہینے کے قران کی عیسوی تاریخ ۲۷ جنوری ۶۳۲ عیسوی جیولین بوقت ۰۹:۴۳ ہے۔ غروب شمس کے وقت تک چاند کی عمر کوئی نو گھنٹے سے بھی کم بنتی ہے لہذا چاند نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چاند اگلے دن ۲۸ جنوری کو غروب شمس کے وقت نظر آیا لہذا چاند کی پہلی تاریخ ۲۹ جنوری ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز بدھ ہوئی۔ اگر پہلی تاریخ کو بدھ کا دن ہوتو ۲۵ تاریخ کو ٹھیک ہفتہ کا دن ہی برآمد ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا جدول سے واضح ہورہا ہے کہ ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری کا مہینہ اگلے ماہ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کی مکی رؤیت ہلال کے مطابق ۲۹ دن کا تھا، جبکہ مدنی رویت ہلال کے مطابق ذی قعدہ کا مہینہ ۳۰ دن کا ہوا۔ اگر تیس سے پانچ دن کم کئے جائیں تو تاریخ ۲۵ ذیقعدہ ۱۰ ہجری قمری بروز ہفتہ ہوئی۔ مکی رویت کے مطابق ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری کا مہینہ ۲۹ دن کا ہوا۔ ۲۹ دنوں سے چار دن کم کئے جائیں تو بھی روانگی کی تاریخ ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری بروز ہفتہ برآمد ہوئی اسی لئے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت کے مطابق حجۃ الوداع کے لئے روانگی کے وقت ذی قعدہ کے پانچ یا چار دن باقی تھے (۹۵) اگر مکی رویت کا اعتبار کیا جائے تو پانچ دن اور اگر مدنی رویت کا اعتبار کیا جائے تو چار دن باقی تھے، دونوں صورتوں میں روانگی کی تاریخ بہر حال ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری بروز ہفتہ ہوئی قمریہ شمسی تاریخ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری قمریہ شمسی اور عیسوی تاریخ ۲۲ فروری ۶۳۲ عیسوی جیولین تھی۔

بقول ابن سعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۴ ذی الحجہ ۱۰ ہجری (قمری) بروز سوموار مکہ میں داخل ہوئے تھے (۹۶) ۴ ذی الحجہ کو سوموار ہوتو ۹ ذی الحجہ کو جمعہ کا نہیں بلکہ ہفتہ کا دن برآمد ہوتا ہے حالانکہ یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کو بالاتفاق جمعہ کا دن تھا اس سے ثابت ہوگیا کہ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کی مکی روئیت، مدنی روئیت سے ایک دن مقدم اور مدنی رویت، مکی روئیت سے ایک دن مؤخر ہوئی۔ واقدی نے لکھا ہے کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یوم ترویہ (یعنی ۸ ذی الحجہ) کو جمعہ تھا (۹۷) اس سے بھی مدنی رؤیت ہلال کا ایک دن مؤخر ہونا ثابت ہوا۔ پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق ۲۲ فروری ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز ہفتہ روانہ ہوئے، اور مکی رویت ہلال کے مطابق ۵ جمادی الاخریٰ ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۵ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری

بمطابق ۲ مارچ ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز سوموار مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، چنانچہ صحیح بخاری میں بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے مکہ مکرمہ میں ورود مسعود کی تاریخ ۵ ذی الحجہ ہے (۹۸)۔

ابن سعد نے تاریخ ۴ ذی الحجہ بیان کی ہے یہ مدنی رویت ہلال کے مطابق ہے۔ پس یوم عرفہ ۹ جمادی الاخریٰ ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق ۶ مارچ ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز جمعۃ المبارک بلحاظ مکی رویت ہلال ہے۔ اگلے دن ۱۰ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری بمطابق ۷ مارچ ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز ہفتہ (بلحاظ مکی رویت ہلال) یعنی یوم النحر کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں دیگر ارشادات کے علاوہ نسی کی منسوخی کا بھی یوں اعلان فرمایا ''زمانہ گھوم پھر کر اپنی اس حالت پر آ گیا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے جس میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں تین حرمت والے مہینے پے در پے ہیں ذی قعدہ، ذی الحجہ اور م۔ اور (چوتھا) مہینہ رجب مُضر ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہوتا ہے'' (۹۹)۔

بعض روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الرؤوس یعنی ۱۰ ذی الحجہ ۲۰ ہجری قمری کے خطبے میں بھی نسی کی منسوخی کا مذکورہ اعلان فرمایا تھا اور قرآن کریم کی سورۃ توبہ کی ان آیات یا ان کے متعلقہ حصوں کی بھی تلاوت فرمائی تھی جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے مہینوں کی تعداد اس کے نزدیک بارہ مہینے رہی ہے جن میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں یہی سیدھا دین ہے سو تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ بے شک نسی (کی رسم) کفر (کے کاموں میں مزید) اضافہ ہے جس کے ذریعہ کفار کو بھٹکایا جاتا ہے کہ وہ (حرمت والے) ان مہینوں) کو کسی سال (از خود) حلال اور کسی سال حرام ٹھہرا لیتے ہیں تاکہ اس طرح وہ حرمت والے مہینوں کی گنتی پوری کر لیں۔ اس سے یہ بھی صاف معلوم ہو گیا کہ جس ذی الحجہ ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع ہوا ہے۔ خالص قمری تقویم کا ذی الحجہ ہے کیونکہ یہ کیسے ممکن تھا کہ جس ذی الحجہ میں نسی والی قمریہ شمسی تقویم کو ہمیشہ کے لئے منسوخ کیا جا رہا ہے یہ حجۃ الوداع اسی قمریہ شمسی تقویم میں کیا جا رہا ہو اور جس نسی کو کفر کے کاموں میں اضافہ قرار دیا جا رہا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی نسی کو اب بھی ملحوظ رکھتے ہوئے قمریہ شمسی ذی الحجہ میں حج فرمائیں؟ اگر اس موقع پر قمریہ شمسی تقویم منسوخ نہ کی جاتی تو جمادی الاخریٰ ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری سے آخر تک کی تقابلی تقویمی جدول کا باقی ماندہ حصہ یوں ہوتا :

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری (منسوخ شدہ)	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۲۷ فروری ۶۳۲ عیسوی	جمعرات	یکم جمادی الاخریٰ ۱۰ ہجری	یکم ذی الحجہ ۱۰ ہجری	۲۶ فروری	۰۰:۰۶
۲۸ مارچ	ہفتہ	یکم رجب	یکم محرم ۱۱ ہجری	۲۶ مارچ	۱۵:۱۰
۲۷ اپریل	سوموار	یکم شعبان	یکم صفر	۲۵ اپریل	۰۶:۳۰
۲۷ مئی	بدھ	یکم رمضان	یکم ربیع الاول	۲۴ مئی	۲۱:۴۶
۲۶ جون	جمعہ	یکم شوال	یکم ربیع الثانی	۲۳ جون	۱۲:۳۴
۲۵ جولائی	ہفتہ	یکم ذی قعدہ	یکم جمادی الاولیٰ	۲۳ جولائی	۰۲:۳۸
۲۳ اگست	اتوار	یکم ذی الحجہ	یکم جمادی الاخریٰ	۲۱ اگست	۱۵:۱۰

مذکورہ بالا جدول سے واضح ہے کہ اگر حجۃ الوداع کے ذی الحجہ کو قمری تقویم کی بجائے قمریہ شمسی تقویم کا لیا جائے تو اس کے بالمقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ جمادی الاخریٰ ۱۱ ہجری ہوگا۔ حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری میں انتقال فرما گئے تھے، اندریں صورت یہ نامعقول بات بھی تسلیم کرنا ہوگی کہ آپ ﷺ نے ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری میں اس دار فانی سے رحلت فرما جانے کے کوئی تین ماہ بعد ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق جمادی الاخریٰ ۱۱ ہجری قمری میں حج ادا کیا تھا۔ پس لامحالہ یہ ماننا ہوگا کہ حجۃ الوداع کا ذی الحجہ خالص قمری تقویم کا تھا۔ ہم سال ۹ ہجری قمریہ شمسی کے توقیتی مباحث میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ حج ابی بکر صدیقؓ کا ذی الحجہ ۹ ہجری بھی خالص قمری تقویم کا تھا، جن لوگوں نے حج ابی بکر صدیقؓ کے ذی الحجہ ۹ ہجری کو قمریہ شمسی تقویم کا قرار دیتے ہوئے اس کے بالمقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ ذی قعدہ ۹ ہجری قمری سمجھ رکھا ہے، ان کے موقف کا قطعاً غلط ہونا بھی ہم نہایت تفصیل سے ثابت کر چکے ہیں۔ مذکورہ بالا جدول ہم نے مکی رویت ہلال کے مطابق پیش کی ہے۔ مکی رویت ہلال کے اعتبار سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کی تاریخ ۱۳ ربیع الاول ۱۱ ہجری اور مدنی رویت کے مطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری بروز سوموار ہے۔ وضاحت آئندہ صفحات میں متعلقہ توقیتی

مباحث میں آئے گی۔ مذکورہ بالا جدول سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۹ جمادی الاخریٰ ۱۱ ہجری قمری کو منگل کا دن بنتا ہے، حالانکہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری یوم عرفہ کو بالاتفاق جمعہ کا دن تھا قمری تواریخ میں ایک دن سے زیادہ کا فرق قابل قبول نہیں ہوسکتا، پس اس سے بھی ثابت ہوگیا کہ حجۃ الوداع کا ذی الحجہ ۱۰ ہجری خالص قمری تقویم کا ہے اور ۱۰ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری (یوم النحر) بروز ہفتہ اور پھر ۱۲ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری (یوم الرؤوس) بروز سوموار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نسی والی (قمریہ شمسی) تقویم کو ہمیشہ کے لئے منسوخ فرمادیا (۱۰۰)۔

(۵) سریہ اسامہ بن زیدؓ

تقابلی تقویمی جدول کا متعلقہ حصہ بلحاظ مدنی رویئت ہلال یوں ہے :

عیسوی جیولین	دن	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۲۸ اپریل ۶۳۲ عیسوی	منگل	یکم صفر ۱۱ ہجری	۲۵ اپریل	۰۶:۳۰
۲۸ مئی	جمعرات	یکم ربیع الاول	۲۴ مئی	۲۱:۴۶

ابن سعد اور ابن ہشام وغیرہ کے نزدیک اس سریے کے لئے تیاری کا حکم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۶ صفر ۱۱ ہجری بروز سوموار دیا تھا، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کی ابتدا ۲۸ صفر ۱۱ ہجری بروز بدھ سے ہوئی اور حضرت اسامہؓ کے لئے آپؐ نے پرچم ۲۹ صفر بروز جمعرات تیار فرمایا (۱۰۱) مکی رویت ہلال کے اعتبار سے یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کو بالاتفاق جمعہ کا دن تھا۔ مدنی رویت ہلال کے مطابق یہ تاریخ ۸ ذی الحجہ تھی اسلئے ۹ ذی الحجہ بلحاظ مدنی رویت ہفتہ کے دن ہوئی۔ دونوں صورتوں میں ۲۶ صفر ۱۱ ہجری کو سوموار کا دن کسی طرح بھی نہیں بنتا۔ مدنی رویئت کے اعتبار سے ۲۶ صفر ۱۱ ہجری کو ہفتہ اور ۲۸ صفر ۱۱ ہجری کو سوموار کا دن بنتا ہے جیسا کہ اوپر دیئے گئے جدولی حصے سے بھی واضح ہے۔ اس لحاظ سے لشکر اسامہؓ کی تیاری کا حکم ۲۸ صفر ۱۱ ہجری بمطابق ۲۵ مئی ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز سوموار دیا گیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کی ابتدا ۳۰ صفر ۱۱ ہجری بمطابق ۲۷ مئی ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز بدھ سے ہوئی۔ حضرت اسامہؓ کے لشکر کے لئے پرچم سازی یکم ربیع الاول ۱۱ ہجری بمطابق ۲۸ مئی ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز جمعرات ہوئی۔ ابن سعد نے بروایت محمد بن عمر رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کی علالت کی مدت تیرہ یوم بیان کی ہے (۱/۱۰۲) اگر آپ ۳۰ صفر ۱۱ ہجری کو بیمار ہوئے ہوں تو ۱۱ ربیع الاول ۱۱ ہجری تک ٹھیک بارہ دن بنتے ہیں اس سے اگلے روز یعنی تیرہویں دن ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری بمطابق ۸ جون ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز سوموار آپ ﷺ رحلت فرما گئے۔

(۶) وصال مبارک

تقابلی تقویمی جدول بلحاظ مدنی رویت ہلال کا متعلقہ حصہ حسب سابق ہے لیکن بغرض سہولت ہم اسے دوبارہ پیش کئے دیتے ہیں:

عیسوی جیولین	دن	قمری ہجری بلحاظ مدنی رویت ہلال	تاریخ قران	وقت قران
۲۸ اپریل ۶۳۲ عیسوی	منگل	یکم صفر ۱۱ ہجری	۲۵ اپریل	۰۶:۳۰
۲۸ مئی	جمعرات	یکم ربیع الاول	۲۴ مئی	۲۱:۴۶

مشہور قول کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری بروز سوموار اس دار فانی سے رحلت فرمائی (۲/۱۰۲) ابن سعد اور واقدی نے تو اسی کے صحیح ہونے پر یقین ظاہر کیا ہے۔ یوم رحلت کی تواریخ یکم اور ۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری بھی بیان کی گئی ہیں (۱۰۳) ایک قول ۱۰ ربیع الاول کا بھی ہے لیکن جدید تحقیق کے مطابق یکم، دو اور دس ربیع الاول کے اقوال کا غلط ہونا قطعیت سے ثابت ہو رہا ہے۔ ربیع الاول ۱۱ ہجری کے قران کی عیسوی تاریخ ۲۴ مئی بوقت ۲۱:۴۶ ہے۔ ۲۴ مئی ۶۳۲ عیسوی جیولین کو اتوار تھا۔ اگلے روز ۲۵ مئی ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز سوموار کو چاند کی عمر بوقت غروب شمس کوئی ۲۱ گھنٹے کے قریب تھی اگر اس روز رویت ہلال فرض کر لی جائے تو یکم ربیع الاول ۱۱ ہجری بمطابق ۲۶ مئی ۶۳۲ عیسوی بروز منگل بنے گی اس سے پہلے یکم ربیع الاول کا ہونا ایسے ہی محال ہے جیسے دو اور دو کا پانچ ہونا محال ہے۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال سوموار کے دن ہوا تھا اور اس میں سلف و خلف میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے، چونکہ یکم، دو اور دس ربیع الاول ۱۱ ہجری کو سوموار کا دن ہونا عقلاً محال ہے لہذا ان تواریخ کو آپ کا یوم وصال قرار دینا قطعاً غلط ثابت ہو چکا۔ چنانچہ حضرت

عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری مروی ہے (۱۰۴) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ تفسیری روایات جن کے مطابق سورہ مائدہ کی آیت الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا کے یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو نزول کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ۸۱ دن اس دنیا میں رہے، قطعاً درست نہیں، کیونکہ اس صورت میں یوم وفات یکم ربیع الاول ۱۱ ہجری برآمد ہوگا جب کہ بمطابق اوقاتِ قران ذی الحجہ، محرم اور صفر کے مہینوں کو تیس تیس دن کا شمار کیا جائے۔ اور یکم ربیع الاول کا یوم وفات ممکن نہ ہونا ہم اوپر بخوبی واضح کر چکے ہیں۔ علم ہیئت کی رو سے ان اوقات قران کی صحت یقینی قطعی ہے، اصل اوقات قران سے اگر ان کا فرق بھی ہو تو وہ بھی چند ثانیوں (سیکنڈز) سے زیادہ کا نہیں ہوا کرتا۔ اکاسی دنوں والی مذکورہ روایت یوں درست ہو سکتی ہے کہ حجۃ الوداع سے مدینہ منورہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ سلم کی مراجعت کے بعد یہ مدت شمار کی جائے۔ حجۃ الوداع کے لئے روانگی کا سفر دسویں دن مکمل ہو گیا تھا۔ حجۃ الوداع سے مراجعت کا سفر ۱۴ ذی الحجہ ۱۱ ہجری بمطابق ۱۱ مارچ ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز بدھ شروع ہوا تھا۔ دسواں دن ۲۳ ذی الحجہ ۱۱ ہجری بمطابق ۲۰ مارچ ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز جمعہ بنتا ہے لیکن یہ قمری تاریخ مکی رویت کے مطابق ہے مدنی رویت کے اعتبار سے تاریخ ۲۲ ذی الحجہ بنی۔ اب اگر بمطابق اوقاتِ قران ذی الحجہ ۱۰ ہجری، محرم و صفر ۱۱ ہجری تینوں مہینے تیس تیس دن کے لئے جائیں تو ۲۲ ذی الحجہ ۱۰ ہجری سے ۳۰ صفر ۱۱ ہجری تک ۶۹ دن برآمد ہوں گے ان میں بارہ دن ربیع الاول ۱۱ ہجری کے بھی جمع کئے تو مدت ۸۱ دن ہوئی لہذا صحیح بات یہ ہے کہ حجۃ الوداع سے مدینہ میں واپسی کے بعد ۸۱ ویں دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ واپسی کے اس سفر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے راستے میں کہیں بھی خلاف معمول زیادہ قیام نہیں فرمایا، بلکہ واپسی کا یہ سفر معمول کے مطابق نو دس دنوں میں پورا ہوا۔ جاتے ہوئے بھی اتنی ہی مدت صرف ہوئی تھی (۱۰۵)۔

اوپر یہ مذکور ہو چکا ہے کہ جلد سے جلد رویت ہلال کو بھی اگر ملحوظ رکھا جائے تو بھی یکم ربیع الاول ۱۱ ہجری، ۲۶ مئی ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز منگل سے پہلے ممکن ہی نہیں البتہ یہ رؤیت ایک یا دو دن مؤخر ہو سکتی ہے، کیونکہ چاند کے صحیح طور پر نظر آنے کے لئے اکثر و بیشتر چاند کی عمر ۲۵ گھنٹے سے زائد بلکہ تیس گھنٹے کے قریب ہونی چاہئے، لہذا مکی رویت کے مطابق یکم ربیع الاول ۱۱ ہجری مؤرخہ ۲۷ مئی ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز بدھ ہوئی اور مدنی رویت کے مطابق ۲۸ مئی ۶۳۲ عیسوی جیولین کو بروز جمعرات ہوئی، لہذا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم وصال ٹھیک ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری بمطابق ۸ جون ۶۳۲ عیسوی جیولین بروز سوموار ہے، اگرچہ مکی رویت کے مطابق یہ تاریخ ۱۳ ربیع الاول بنتی ہے اور شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مرتبہ ایچ اے آر گب میں بھی یہی تاریخ دی گئی ہے، لیکن چونکہ آپ کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا اور وہیں آپ مدفون ہوئے، لہذا بجا طور پر مدنی رویت کے مطابق تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری بروز سوموار مشہور ہوگئی، اور اس کے صحیح ہونے میں قطعاً کوئی شبہہ نہ رہا۔ مکی و مدنی رویت ہلال کے اختلاف اور دیگر متعلقہ امور پر جو اشکالات اور اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا مکمل اور شافی جواب ہم نے سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۱۰۔ ۱۱ ہجری قمری بمطابق ۶۳۱۔ ۶۳۲ عیسوی جیولین کی مکمل تقابلی تقویمی جدول پیش کرنے کے متصل بعد گزشتہ صفحات میں دے دیا ہے۔

یہاں سخت حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اہل علم میں سے شاید ہی کسی نے یہ سوچا ہو کہ اگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے اس جانکاہ حادثے کی صحیح تاریخ تک (معاذ اللہ) بھول گئے تو ان حضرات کے ایسے (مفروضہ) ضعفِ حافظہ کے پیش نظر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو ٹھیک ٹھیک آگے منتقل کیا ہوگا؟ اصل میں یہ سب بعد کے لوگوں کی کارستانیاں ہیں صحابہ کرامؓ کا دامن اس سے پاک ہے۔ اختلاف کا بڑا سبب یہ ہوا کہ یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو بالاتفاق جمعہ کا دن تھا بعد کے مہینے خواہ تیس دنوں کے شمار کئے جائیں یا ۲۹ دنوں کے لئے جائیں یا تیس اور انتیس دنوں کے ملے جلے محسوب کئے جائیں تو ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری کو کسی بھی صورت میں سوموار کا دن نہیں بنتا، چنانچہ ابوالقاسم سہیلیؒ نے یہی اشکال پیش کرتے ہوئے اس تاریخ کو بزعم خویش مشتبہ قرار دیا (۱۰۶) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی اشکال کے پیش نظر لکھا ہے کہ تاریخ وفات ۲ ربیع الاول تھی۔ ثانی شہر ربیع الاول کو غلطی سے ثانی عشر ربیع الاول پڑھ لیا گیا۔ ان حضرات کا ذہن مکی و مدنی رویت اختلاف کی طرف نہ گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج مکی رویت ہلال کے مطابق کیا اور آپ کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا۔ یوم وصال کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری مدنی رویت کے اعتبار سے ہے۔ حجۃ الوداع کے توقیتی مباحث میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں یکم ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو جمعہ کا اور مکہ مکرمہ میں جمعرات کا دن تھا یعنی مدنی رویت ایک دن مؤخر ہوئی تھی۔ یکم ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کو جمعہ ہو، اور ذی الحجہ، محرم اور صفر کے مہینے تیس تیس دنوں کے ہوں تو ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری کو ٹھیک سوموار کا دن ہی بنے گا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے بھی البدایۃ والنہایۃ میں یہی جواب دیا ہے اور جدید تحقیق سے بھی یہی

درست ثابت ہورہا ہے

یکم ربیع الاول، ۲ ربیع الاول اور ۱۰ ربیع الاول کے اقوال کا غلط ہونا اور ان تواریخ میں سوموار کا دن کسی بھی صورت میں نہ ہوسکنا قبل ازیں واضح ہو چکا ہے۔ البتہ ۲۸ صفر ۱۱ ہجری کو مدنی رویت کے اعتبار سے سوموار کا دن تھا اور امامیہ حضرات کے نزدیک ہمارے علم کے مطابق ۲۸ صفر تاریخ وفات ہے، لیکن یہ اس لئے قابل قبول نہیں کہ اگر یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کے دن جمعہ کو لوگ بھول نہیں سکے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے عظیم سانحے کی تاریخ اور دن کو بھی وہ ہرگز بھول نہیں سکتے تھے، اس لئے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری کی تاریخ باعتبار شہرت کے بھی یقینی ہے اور اصول ہیئت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اصول ہیئت کے تحت مکہ و مدینہ کے چار ماہ کے مسلسل اختلاف رویت وغیرہ پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کا جواب تقابلی تقویمی جدول کے متصل بعد سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی، ۱۰۔۱۱ ہجری قمری کے واقعات اور حوادث کی فرداً فرداً توقیتی بحث سے پہلے دیا جاچکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بسا اوقات مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہیں آتا تو قواعد ہیئت کے برعکس مسلسل چار قمری ماہ تیس تیس دن کے اور ان کے متصل بعد تین قمری ماہ ۲۹، ۲۹ دن کے پندرہویں صدی ہجری میں بھی ہوئے ہیں، چہ جائیکہ دور نبوی کی ایسی رویت پر اعتراضات کئے جائیں، حالانکہ موجودہ دور مواصلات، ذرائع رسل و رسائل اور سائنسی مادی علوم کے اعتبار سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہے۔

ایک شبہہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ عربوں میں تعلیم کا رواج بہت کم تھا اس لئے قمری تواریخ کو ٹھیک یاد رکھنے میں کوتاہی کرتے تھے، لہذا ایک دو دن کی تاخیر یا تقدیم ایسی غیر معمولی بات نہیں کہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم وصال قرار دینے پر اصرار کیا جائے۔ یہ شبہہ اسلئے غلط ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیئیس سالہ دور رسالت میں دس سالہ مدنی دور ایک منظم اسلامی ریاست کا سیاسی و تمدنی دور ہے، یہی وجہ ہے کہ اس دور کے واقعات و حوادث کی توقیت کا جو اہتمام ہوا ہے مکی دور میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوا۔ اس توقیت میں التباس اس دور کے دو تقویمی نظام کی وجہ سے ہے۔ احکام شرعیہ کا دار و مدار چونکہ قمری مہینوں پر رکھا گیا ہے لہذا قمری تواریخ کو یاد رکھنا شرعاً فرض عین نہ بھی ہو تو بھی فرض کفایہ تو یقیناً ہے۔ صحابہ کرامؓ کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس اہم فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے تھے۔ البتہ مختلف علاقوں میں چاند نظر آنے یا نہ آنے کی وجہ سے تواریخ میں تقدیم و

تاخیر کا ہونا مسلّم ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا، لہٰذا یہی مدنی رویت ملحوظ ہوگی۔

ہم مقالہ ہذا کی دوسری قسط میں سعادات کے عنوان کے تحت ثابت کر چکے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی تاریخ ۸ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی بمطابق ۸ رمضان المبارک ۵۵ قبل ہجرت قمری بمطابق چار نومبر ۵۶۹ عیسوی جیولین ہے اور آپ ﷺ کی رحلت کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری ہے، لہٰذا آپ ﷺ کی دنیوی حیات طیبہ کی مدت شمسی اور قمریہ شمسی سالوں میں ۶۲ سال ۷ ماہ اور تقریباً پانچ دن ہے اور خالص قمری سالوں میں یہ مدت ۶۴ سال ۶ ماہ اور تقریباً ۵ دن بنتی ہے، کسور کو پورا عدد شمار کرنے سے شمسی و قمریہ شمسی مدت ۶۳ سال اور قمری مدت ۶۵ سال بنتی ہے۔ آپ ﷺ کی عمر مبارک کے متعلق مشہور ترین تین اقوال ہیں ''۶۳ سال، ۶۵ سال، ساڑھے باسٹھ سال کے قریب'' (۱۰۷) ''ان تینوں اقوال میں بطریق احسن تطبیق ہوگئی۔ ۶۰ یا ۶۱ سال کی عمر کے اقوال ضعیف بلکہ غلط ہیں، یہ تب درست ہو سکتے ہیں جبکہ ظہور رسالت کے بعد آپ ﷺ کے تیرہ سالہ مکی دور سے خفیہ تبلیغ کے تین سال نظر انداز کر کے اسے دس سالہ دور قرار دیا جائے۔

توقیتی جدول ۱۰ ہجری قمریہ شمسی، ۱۰۔۱۱ ہجری قمری، ۶۳۱۔۶۳۲ عیسوی جیولین

نمبر شمار	اہم واقعات وحوادث	قمریہ شمسی ہجری	دن	قمری ہجری	عیسوی جیولین
۱۔	سریہ خالدؓ بن ولید بجانب یمن	ربیع الاول ۱۰ ہجری	۔	رمضان ۱۰ ہجری	دسمبر ۶۳۱ء
۲۔	سریہ علیؓ بن ابی طالب بجانب یمن	ایضا	۔	ایضا	ایضا
۳۔	وفات حضرت ابراہیمؓ بن محمد رسول اللہ ﷺ	۲۸ ربیع (الثانی)	(سوموار)	۲۸ شوال	۲۷ جنوری ۶۳۲ عیسوی
۴۔	حجۃ الوداع (روانگی)	۲۵ جمادی الاولیٰ	ہفتہ	۲۵ ذی قعدہ	۲۲ فروری

	ورود مکہ (بلحاظ مکی رویت ہلال)	۵ جمادی الاخریٰ	(سوموار)	۵ ذی الحجہ	۲ مارچ
	ورود مکہ (بلحاظ مدنی رویت ہلال)	۴ جمادی الاخریٰ	سوموار	۴ ذی الحجہ	۲ مارچ
	یوم عرفہ (مکی رویت)	۹ جمادی الاخریٰ	جمعہ	۹ ذی الحجہ	۶ مارچ
	یوم النحر، عید الاضحیٰ (مکی رویت)	نسی منسوخ	ہفتہ	۱۰ ذی الحجہ	۷ مارچ
	یوم الرؤوس (ایضاً)	//	سوموار	۱۲ ذی الحجہ	۹ مارچ
	یوم النفر (ایضاً)	//	منگل	۱۳ ذی الحج	۱۰ مارچ
	مدینہ کی طرف مراجعت (ایضاً)	//	بدھ	۱۴ ذی الحجہ	۱۱ مارچ
۵۔	شہدائے احد کے لئے دعا	//	۔	اوائل صفر ۱۱ ہجری	اواخر اپریل
۶۔	جیش اسامہ کے لئے تیاری کا حکم (بلحاظ مدنی رویت ہلال)	//	سوموار	(۲۸) صفر	۲۵ مئی
	پرچم سازی (ایضاً)	//	جمعرات	(یکم ربیع الاول)	۲۸ مئی
۷۔	رسول اکرم ﷺ کی علالت کی ابتدا (بلحاظ مدنی رویت ہلال)	//	بدھ	(۳۰) صفر	۲۷ مئی
	مرض میں شدت (ایضاً)	//	بدھ	۷ ربیع الاول	۳ جون
۸	واقعۂ قرطاس (ایضاً)	//	جمعرات	۸ ربیع الاول	۴ جون

۹	امامت ابی بکرؓ (ایضا)	//	شب جمعہ	۹ ربیع الاول	۴ جون بمطابق شمسی تقویم
۱۰۔	وصال مبارک (ایضا)	//	سوموار	۱۲ ربیع الاول	۸ جون
	(بلحاظ مکی رویت)	//	سوموار	(۱۳) ربیع الاول	۸ جون

حواشی وحوالہ جات

۱۔ الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، ترجمۃ نعمانؓ بن مقرن ۳/۵۶۳

۲۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد طیالسی، احمد بحوالہ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۵/۴۶۔۴۸

۳۔ واقدی بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۵/۶۰

۴۔ البدایۃ والنہایۃ ۵/۶۶

۵۔ ایضاً ۵/۶۷

۶۔ ابن اسحاق بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۵/۸۳۔۸۴

۷۔ البدایۃ والنہایۃ ۵/۸۱

۸۔ الرحیق المختوم ص ۶۰۱ (صفی الرحمٰن مبارک پوری) زاد المعاد ص ۵۰۶ بحوالہ رحمۃ للعالمین قاضی محمد سلیمان منصور پوری ۱/۱۹۶

۹۔ الرحیق المختوم ص ۶۰۱

۱۰۔ واقدی بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۵/۸۵

۱۱۔ ابن اسحاق بحوالہ ایضاً ۵/۲۸

۱۲۔ واقدی بحوالہ ایضاً ۵/۸۵

۱۳۔ الرحیق المختوم صفحہ ۶۰۴۔ زاد المعاد ص ۴۹۳ بحوالہ رحمۃ للعالمین ۱/۱۹۱

۱۴۔ ابن اسحٰق بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۵/۶۱

۱۵۔ ابن اسحاق وبیہقی بحوالہ ایضاً ۵/۴۱، ۴۴، ۴۵

۱۶۔ بخاری، ابن اسحاق بحوالہ ایضاً ۵/۵۱۔۵۵

۱۷۔ ابن اسحاق بحوالہ ایضاً ۵/۴۹۔۵۱

۱۸۔ ایضاً۔ ایضاً ۵/۵۵۔۵۷

۱۹۔ واقدی بحوالہ ایضاً ۵/۹۰

۲۰۔ ایضاً ۵/۸۶

۲۱۔ زاد المعاد بحوالہ رحمۃ للعالمین ۱/۲۰۰

۲۲۔ واقدی بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۵/۸۶

۲۳۔ ابن اسحٰق بحوالہ ایضاً ۵/۹۵

۲۴۔ ابن اسحٰق بحوالہ ایضاً ۵/۷۱، ۹۱

۲۵۔ البدایۃ والنہایۃ ۵/۹۰

۲۶۔ زاد المعاد صفحہ ۵۱۸ بحوالہ رحمۃ للعالمین ۱/۲۰۹۔۲۱۰

۲۷۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ خطبات طویل تھے، خصوصاً یوم النحر کا خطبہ تو نہایت طویل تھا۔ (نسائی۔ مسلم عن ام حصینؓ بحوالہ البدایۃ والنھایۃ جلد پنجم صفحات ۱۸۶، ۱۸۷)۔ اس لئے ان خطبات کو شروع سے آخر تک لفظ بلفظ یاد رکھنے کے ساتھ ساتھ مضامین کی ترتیب کو ملحوظ رکھنا سامعین کے لئے ممکن نہ تھا۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ میں سے جس کو اس کا جتنا حصہ یاد رہا، انہوں نے وہ آگے منتقل کر دیا۔ کتب احادیث و سیر میں بھی ان خطبات کے مضامین اکثر و بیشتر یکجا نہیں ملتے، بلکہ مختلف عنوانات کے تحت جا بجا مذکور ہیں۔ خطبات کے ان منتشر حصوں کو یکجا بھی کیا جائے تو بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اصل ترتیب کے اعتبار سے ان کا کونسا حصہ مقدم یا مؤخر تھا۔ روایات میں غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ باتیں ان خطبات میں بار بار دہرائی گئی ہیں۔ کلام میں یہ تکرار بے مقصد نہیں تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ بعض باتوں کو بار بار دہرانا اس لئے ناگزیر تھا کہ جو لوگ پہلے ان باتوں کو سن نہ پائے ہوں وہ بھی اچھی طرح سن لیں۔ نیز بہت سی باتیں تاکیداً بھی دہرائی گئیں۔ خطبہ اگر طویل ہو تو خطاب کے موقع پر مضامین کی ترتیب اور ان کے اجزا کی تقدیم و تاخیر سامعین کی اس وقت کی صورت حال کے پیش نظر ایک خاص ہیئت اختیار کرتی ہے۔ یہ ہرگز ضروری نہیں ہوتا کہ بعد کے لوگوں کے لئے خطبے کے مضامین سے استفادہ اسی ترتیب و ہیئت پر موقوف ہو کر رہ جائے، بلکہ نئے حالات اور نئی ضرورتوں کے تحت کلام میں جو لفظی اور معنوی تکرار پایا جاتا ہے، اسے بڑی حد تک کم کرنے کی گنجائش موجود ہوتی ہے، نیز طویل زبانی کلام میں روایت باللفظ کو پوری کوشش کے باوجود ملحوظ رکھنا آسان نہیں ہوتا، لہٰذا روایت بالمعنیٰ کے تحت راوی حضرات کی نقل میں مضامین کی ترتیب کے علاوہ الفاظ و کلمات کا اختلاف بھی سامنے آتا ہے، گو مفاہیم و معانی اس سے متاثر نہ ہوں۔ حجۃ الوداع کے خطبات کی نقل میں بھی یہی صورت حال صاف نظر آتی ہے، لہٰذا یہاں اس امر کا جواز موجود ہے کہ ان ت کے مضامین کے منتشر اجزا کو یکجا کرتے ہوئے انہیں اس انداز سے مرتب و مدون کیا

جائے کہ لوگ ان سے حتی الامکان زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں، بشرطیکہ معنوی تحریف لازم نہ آئے۔ اہل علم حضرات کی طرف سے یہ ترتیب وتدوین بھی باہم مختلف ہوسکتی ہے، کیونکہ لوگوں کے مزاج مختلف ہوتے ہیں، ان کی علمی استعداد میں بھی تفاوت ہوتا ہے، پھر سب کا سوچنے کا انداز بھی یکساں نہیں ہوا کرتا، لہذا ضروری نہیں کہ مثلاً زید جس ربط وترتیب کو ملحوظ رکھتا ہے، بکر بھی ویسا ہی کرے، البتہ وحی متلو (قرآن کریم) اس سے مستثنیٰ ہے اس کی ترتیب توقیفی ہے اور تواتر سے منقول ہے، لہذا یہ کسی طرح کے تغیر کی متحمل نہیں۔ تاہم اہل علم کا یہ فرض ہے کہ وہ اس امر کی نشاندہی کردیں کہ مضامین گو بموجب روایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہیں، لیکن ترتیب وتدوین ہماری خود ساختہ ہے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مضامین کی ترتیب تک کو غلط منسوب کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔ حجۃ الوداع سے متعلق روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عرفہ، یوم النحر اور ایام التشریق کے درمیانی دن یعنی ۱۲ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری (یوم الرؤوس) کو اپنے خطبات جلیلہ سے سامعین کو نوازا ہے۔ متعلقہ احادیث وروایات کی روشنی میں ہر موقع کے خطبے کے متن کو الگ الگ کرنے کی کاوش کا صحیح ہونا یقینی قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے۔ خود ان خطبات کے منتشر اجزا کا ہم تک پہنچنا ظنی ہے، کیونکہ ان کی حیثیت اخبار آحاد کی ہے، لہذا ان سے ایسے نتائج ہرگز حاصل نہیں کئے جاسکتے جو کتاب اللہ یعنی قرآن کریم کی قطعی الدلالہ آیات کے منافی ہوں۔ خطبات حجۃ الوداع کے منتشر اجزا میں باہم ربط پیدا کرنے کے لئے ہم نے بعض اوقات متعلقہ روایات کے متن کو یکجا نہیں رکھا بلکہ دوسری روایات کے متن کو درمیان میں ڈال دیا ہے، مثلاً یوم عرفہ کے خطبے میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طویل روایت کے آخری حصے فانتم تسئلون عنی سے اللھم اشھد تک کو ہم نے اصل روایت سے الگ کرکے دیگر روایات کو درمیان میں ڈالا ہے، اور اس حصے کو سب سے آخر میں رکھ دیا ہے، تاہم خطبات کے منتشر اجزا کو یکجا کرنے کے باوجود ہم نے حروف ابجد کی ترتیب سے انہیں الگ الگ بھی رکھا ہے، تاکہ مختلف روایات کے متون کو حتی الامکان ایک دوسرے سے ممتاز کیا جاسکے۔ لفظی ومعنوی تکرار سے بچنے کے لئے بسا اوقات ایک روایت کے طویل متن کے وہ حصے چھوڑ دیئے گئے ہیں جو اس سے پہلے لفظاً یا معناً کسی دوسری روایت میں مذکور ہوچکے ہیں، صرف انہیں حصوں کو لیا گیا ہے جو پہلی روایات پر زائد ہیں۔ مثلاً ابوداؤد، نسائی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ کی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے متن میں ہم نے الاان الزمان قد استدار علیٰ ھیئتہ سے بین جمادی و شعبان تک کے حصے ہی کو لیا ہے، بعد میں تحریم دماء واموال وغیرہ کے حصے کو چھوڑ دیا ہے، کیونکہ امام بخاریؒ کی روایت میں مذکور یہ حصہ ہم نے پہلے ہی اوپر بیان کردیا ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے احادیث وروایات کی اسناد کو مدنظر رکھنے کی بجائے متون کی جامعیت کو زیادہ ملحوظ رکھا ہے۔ چونکہ ہم سیرت طیبہ کے توقیتی پہلو پر زیادہ زور دے رہے

ہیں۔اس لئے ان خطبات میں نسی کی منسوخی والے مضامین کی تکرار کو ہم نے بحال رکھنے کی کوشش کی ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے برحق ہونے پر موجود یقینی قطعی دلائل میں حجۃ الوداع کے خطبات بھی ایک قیمتی اضافہ ہیں۔نوع انسانی کے انفرادی واجتماعی فلاح و بہبود کے مقاصد، باہم خونریزی اور فتنہ وفساد کے مفاسد، معاشرے کے کمزور طبقات کے مفادات کے تحفظ، انسانی زندگی کے تمام شعبوں عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت واخلاق کے متعلق تعلیم وتزکیے کے مضامین کی دلکش تلخیص وترتیب کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فی البدیہہ خطبات میں جس انداز سے عوام الناس کے سامنے رکھا ہے، یہ سب کچھ اپنی جگہ پر نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔یہ خطبات اس دور کے ہیں جبکہ دنیا میں انسانی حقوق کے تعین اور تحفظ کا دور دور تک کوئی تصور نہ تھا۔دور حاضر کے بعض اجتماعی اداروں مثلاً اقوام متحدہ کے انسانی حقوق پر منشورات وغیرہ سے خطبات حجۃ الوداع کے تقابل میں مسابقت کی جو مصنوعی فضا پیدا کی جاتی ہے اس میں اس امر کو عموماً ملحوظ نہیں رکھا جاتا کہ فردِ واحد (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے امّی ہونے کے باوجود کہ آپ نے کسی مکتب یا مدرسہ سکول یا کالج، جامعہ یا یونیورسٹی سے استفادہ نہیں کیا کسی بھی انسان سے کسی بھی جگہ لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا، اپنے فی البدیہہ خطبات میں زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق ایسے عظیم الشان مضامین پیش فرمائے کہ ایک دنیا دنگ رہ گئی۔یوں آپ کے سچے رسول ہونے پر یہ خطات شاہد عدل ہیں۔ان خطبات کا مقصد اسلامی تعلیمات کا نچوڑ پیش کرنا ہے۔زندگی کے کسی بھی شعبے کے متعلق تمام متعلقہ ہدایات کا احاطہ اور استیعاب مقصود نہیں کہ موقع ومحل کے اعتبار سے نہ ہی یہ مناسب تھا اور نہ ہی ممکن۔اس کے برعکس مختلف قسم کے منشور اور چارٹر اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کی طویل سوچ بچار اور لمبے تجربات و مشاہدات پر مبنی پہلے سے طے شدہ مساعی کا نتیجہ ہیں۔مسلسل تلخ وشیریں مشاہدات وتجربات کے زیر اثر انسانی عقل بعض حقائق تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔چونکہ سچا دین کبھی بھی خلافِ عقل نہیں ہوا کرتا، گو اس کے کچھ فروعی مسائل سب یا بعض انسانوں کی عقل سے بالاتر ہوں، لہٰذا انسانوں کے بنائے ہوئے منشورات اور قوانین کے کچھ حصے وحی ربانی سے حسن اتفاق سے ہم آہنگ ہو جائیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔تاہم انسانی عقل وبصیرت پیش پا افتادہ مفادات تک ہی محدود رہتی ہے۔جس طرح بصارت خارجی روشنی کے بغیر بیکار ہے، بصیرت بھی وحی کے نور کے بغیر لازماً ناقص ہی رہتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے محض عقل ودانش کے زور پر شخصی آزادیوں کی حدود متعین کی ہیں، ان کے خیال میں سدومیت (مردوں کی مردوں سے بدکاری) تو انسانی شخصی حقوق میں داخل ہے لیکن خواتین کے لئے حجاب (پردہ) اختیار کرنا شخصی آزادیوں کی خود ساختہ حدود سے خارج ہے۔مرد وزن کا آزادانہ اختلاط تو انسانی حقوق میں داخل ہے، لیکن ایک سے زائد نکاح کرنا سخت معیوب ہے۔نسوانی حقوق اور آزادئ نسواں کا ڈھنڈورا تو یہ زور شور سے

پہنتے ہیں لیکن مادر پدر آزاد معاشروں میں کھلی بے حیائی اور جنسی انارکی کے سوا دیگر شعبوں میں تو یہ مساوات کہیں دکھائی نہیں دیتی، ورنہ مثلاً ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اب تک جتنے بھی امریکی صدر ہوئے ہیں سب کے سب مرد ہیں، چاہیے تو یہ تھا کہ اس عہدے پر نصف تعداد خواتین کی بھی ہوتی دیگر انتظامی شعبوں میں بھی اوپر سے نیچے تک ہر جگہ خواتین کو پچاس فیصد نمائندگی حاصل ہوتی۔ ان دانش وروں کی اکثریت کا تعلق عیسوی مذہب سے ہے۔ ان کے ہاں موجودہ اناجیل اربعہ مقدس ہیں۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ اناجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل انجیل نہیں اور خود یہ اناجیل بھی محرف ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ کسی نے قتل کیا تھا اور نہ ہی وہ کسی کے ہاتھوں مصلوب ہوئے، مگر موجودہ اناجیل بتاتی ہیں کہ یسوع مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو مصلوب کرانے میں یہودی پیش پیش تھے۔ رومی گورنر تو یسوع مسیح علیہ السلام کو بے قصور سمجھتا ہوا چھوڑنا چاہتا تھا لیکن یہودیوں کی سخت ضد اور تعصب کے سامنے اسے سرنگوں ہونا پڑا۔ وہی یہودی جنہیں انجیلی روایات کے تحت یسوع مسیح علیہ السلام نے افعیٰ (سانپ) کے بچے قرار دیا تھا۔ یسوع مسیحؑ ہمارے عیسائی بھائیوں کے خیال میں ابن اللہ یعنی خدا کے بیٹے ہیں۔ آج یہی عیسائی حضرات یہودیوں کی محبت اور بیجا ناز برداری میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں کوشاں ہیں۔ جو لوگ اپنے ہی (خود ساختہ) عقائد کے تحت ابن اللہ سے سخت بے وفائی کے مرتکب ہو رہے ہیں، ان سے یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ انسانی حقوق کے کما حقہ محافظ ہونگے؟ ماضی اور حال کی تاریخ ہمارے مذکورہ بالا خدشات کی مکمل تائید کر رہی ہے۔

۲۸۔ سنن نسائی عن جابرؓ بن عبداللہ کتاب مناسک الحج

۲۹۔ صحیح مسلم ۱/۳۹۷، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۳۰۔ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن اسحٰق عن عمرو بن خارجہ بحوالہ البدایۃ والنھایۃ ۵/۱۶۴

۳۱۔ صحیح مسلم عن جابرؓ بن عبداللہ بحوالہ البدایۃ والنھایۃ ۵/۱۶۲

۳۲۔ اگر زمان و مکان کے اعتبار سے کوئی ایک یا چند فریق اپنے لئے الگ الگ ضمائر استعمال کریں تو اس سے کسی نہ کسی حیثیت سے ان کے باہم اختلافِ احوال کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ حجۃ الوداع کے خطبات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے یومکم ھذا (تمہارا یہ دن)۔ بلدکم ھذا (تمہارا یہ شہر)، شھرکم ھذا (تمہارا یہ مہینہ) وغیرہ کلمات استعمال فرمائے، جن سے آپ ﷺ کی جانب سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ میرا تم سے یہ خطاب الوداعی خطاب ہے اگرچہ فی الحال زمان و مکان فریقین کے لئے بظاہر مشترک ہیں لیکن مستقبل قریب میں اس دار فانی سے کوچ کر جانے کی وجہ سے اس دنیوی زمان و مکان کا مجھ سے تعلق باقی نہیں رہے گا۔ سورہ توبہ میں آیت انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا میں سال کی نسبت اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی طرف

یہ ظاہر کرنے کے لئے فرمائی کہ مشرکین کا سال قمریہ شمسی تقویم کا ہونے کی بناء پر مسلمانوں کے سال سے اسلئے مختلف ہے کہ مسلمانوں کا سال خالص قمری تقویم کا ہونا چاہئے چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر قمریہ شمسی تقویم ہمیشہ کے لئے منسوخ قرار پائی اور خالص قمری تقویم ہی کا انہیں پابند کیا گیا۔ یہاں یہ سمجھ لینا بھی غلط ہے کہ نسی والے قمریہ شمسی سال کا ذی الحجہ اور خالص قمری تقویم کے سال کا ذی الحجہ دونوں حجۃ الوداع کے موقع پر اکٹھے ہو گئے تھے۔ اسکی بھرپور اور مدلل تردید ہم مقالے کی دوسری قسط میں اور اسی طرح چھٹی قسط میں سال ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق ۹، ۱۰ ہجری قمری کے توقیتی مباحث میں کر چکے ہیں۔

۳۳۔ لعنت کا لفظ اگر کفار کے لئے مستعمل ہو تو اسکا معنیٰ ابعاد عن الرحم (رحمت سے دور کر دینے اور محروم کر دینے کا) ہے۔ جب اسکا استعمال مسلمانوں کے لئے ہو تو اسکا معنیٰ اسقاط عن مرتبۃ الابرار (نیک لوگوں کے درجے سے گرا دینے یعنی فاسق و فاجر ٹھہرانے کا) ہوتا ہے کیونکہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کلیۃً محروم نہیں ہوتا۔ فاسق و فاجر مسلمان کو اللہ تعالیٰ چاہے تو معاف فرما دے ورنہ اسے سزا اسلئے دی جائیگی کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو جائے جیسے میلا کچیلا کپڑا دھل کر پاک اور ستھرا ہو جاتا ہے۔ ناقابل معافی گناہ صرف شرک ہے جبکہ توبہ کئے بغیر کسی کی موت (معاذ اللہ) شرک پر واقع ہو۔ کسی بھی برے کام کی قباحت کو نمایاں کرنے، لوگوں کو اسکے خلاف متنبہ کرنے اور اس برے کام سے شدید نفرت اور بیزاری ظاہر کرنے کے لئے ایسے برے کاموں میں مبتلا لوگوں پر کسی اہتمام اور پابندی کے بغیر عام الفاظ میں لعنت کرنا جائز ہے جبکہ کسی خاص شخص کو متعین اور نامزد نہ کیا جائے مثلاً لعنۃ اللہ علی الکاذبین، لعنۃ اللہ علی الظالمین (جھوٹوں پر لعنت، ظالموں پر لعنت) وغیرہ کہا جائے تو درست ہے کہ اس سے کوئی اشتعال لوگوں میں پیدا نہیں ہوتا۔ کسی معین شخص پر لعنت کرنا تب جائز ہے جبکہ اسکا کفر پر مرنا قطعی و یقینی ذرائع سے ثابت ہو مثلاً ابلیس، فرعون، ہامان، ابوجہل وغیرہ کا کفر پر مرنا قرآن کریم اور خبر متواتر سے ثابت ہے قرآن کریم کی خبر میں خطاء کا قطعاً کوئی احتمال ہی نہیں جبکہ اسکی اپنے معنیٰ پر دلالت یقینی و قطعی ہو۔ اسی طرح قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ کا کفر پر قائم رہنا اور کفر پر مرنا قرآن کریم سے ثابت ہے ان پر لعنت جائز اور مباح ہے۔ فرض، واجب بلکہ مستحب بھی ہرگز نہیں چہ جائیکہ اسکے لئے کسی خاص اہتمام اور التزام سے کام لیا جائے۔ ابوجہل اور ابولہب وغیرہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن اور موذی تھے ان کا کفر پر مرنا یقینی و قطعی ذرائع قرآن کریم اور خبر متواتر سے ثابت ہے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت کرنے کا صحابہ کرامؓ کو پابند فرمایا ہو۔ اس کے لئے خاص دن یا خاص مجلس کا اہتمام فرمایا ہو یا مسجد نبوی اور دیگر مساجد پر اس مفہوم کا مضمون یا نعرہ لکھایا ہو کہ ابوجہل اور ابولہب پر بے شمار لعنت ہو بلکہ کسی کو معین و مخصوص کئے بغیر یہ لکھایا ہو کہ رسول اللہ کے دشمنوں پر بے شمار اور بیحد و حساب لعنت ہو وغیرہ۔

جس شخص کا کفر پر مرنا یقینی وقطعی ذرائع یعنی قرآن کریم اور خبر متواتر سے ثابت نہ ہو اسے نامزد کر کے لعنت کرنا ناجائز ہے، البتہ دنیا میں لوگوں کے ظاہری حالات کے پیش نظر ان کے متعلق عام شخصی و اجتماعی معاملات میں رائے قائم کی جائیگی جو اگر چہ ظنی ہوگی، لیکن دنیوی امور میں ظن پر عمل ہوگا اور ظن کو معتبر سمجھا جائے گا۔ مذکورہ تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ مثلاً حضرت عثمانؓ کے قاتلین پر نام لے کر لعنت کرنا ناجائز ہے، کیونکہ تاریخ سے حاصل ہونے والی معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ محض ظنی ہے۔ بلکہ جن لوگوں کا کفر وشرک پر مرنا قطعی یقینی ذرائع سے بھی ثابت ہو مگر کچھ لوگ ان کے معتقد ہوں تو بھی انہیں مخصوص ومتعین کر کے لعنت کرنا درست نہیں کہ اس سے بھی یقیناً اشتعال پیدا ہوگا، مثلاً کسی قوم کو فرعون سے عقیدت ومحبت ہو تو فرعون کو مخصوص کر کے لعنت کرنے سے اس کے معتقدین مشتعل ہونگے۔ اسی لئے قرآن کریم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ مشرکین کے بتوں کو گالی نہ دو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری اس حرکت کے سبب جواباً اللہ کو گالی دینے لگیں (الانعام۔۱۰۸) اسلام امن وآشتی، سلامتی، تحمل اور رواداری کی تعلیم دینے والا تبلیغی دین ہے۔ فتنہ وفساد، اشتعال انگیزی اور امن وامان کو تہ وبالا کرنا اسلام میں سخت مذموم ہے۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں کا بندوں کے اعمال وافعال پر قیاس کرنا درست نہیں۔ ممکن ہے کہ ایک کام اللہ کے لئے کمال ہو تو مخلوق کے لئے سراسر عیب ہو، مثلاً اپنی بڑائی جتلانا یعنی تکبر اللہ کے لئے درست ہے، کیونکہ تکبر اسی کی صفت اور اسی کا حق ہے وہی متکبر ہے، لیکن مخلوق کے لئے تکبر سخت عیب ہے یا مثلاً اضلال (گمراہ کرنا) اللہ کے لئے اس معنیٰ میں کوئی عیب نہیں کہ اسی نے ہدایت اور گمراہی کے اسباب پیدا فرمائے ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں ہے **ومن یضلل اللہ فمالہ من ھاد** (الرعد:۳۳) یعنی اللہ جسے گمراہ کرے تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اب اگر مخلوق لوگوں کو گمراہ کرے تو یہ اس کے لئے سخت عیب ہے۔ اگر کوئی شخص یا گروہ لوگوں کو گمراہ کرنے کی مہم چلائے اور دلیل یہ دے کہ اللہ بھی تو لوگوں کو گمراہ کرتا ہے، اس لئے کسی کو گمراہ کرنا ہمارے لئے کوئی عیب نہیں تو ایسے لوگوں کا یہ استدلال بیہودہ، لغو اور مضحکہ خیز سمجھا جائے گا۔ علیٰ ھذا القیاس کسی کو مخصوص اور نامزد کر کے لعنت کرنے کا یہ جواز بھی قطعاً غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی تو کچھ لوگوں پر لعنت کرتا ہے۔ بندوں کا دوسروں پر اس طرح کی لعنت کرنا ایسے ہی سخت مذموم اور قابل گرفت ہے، جیسے دوسروں کو گمراہ کرنا جرم ہے اسی معنیٰ میں لعنت کی یہ صورت بھی سب وشتم میں شامل ہے، کسی کو مخصوص کر کے عام گالی دینا عموماً اتنا اشتعال انگیز نہیں ہوتا جتنا کسی کو لعنت کرنا اشتعال انگیز ہوتا ہے، قرآن کریم میں کفار ومرتدین کے متعلق جو آتا ہے کہ لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔ البقرہ۔۱۵۹) تو اس سے کسی کو مخصوص کئے بغیر عام لعنت مراد ہے، جیسے یوں کہا جائے کافروں پر لعنت، جھوٹوں پر لعنت یا جیسے کسی خاص یہودی اور عیسائی کو مخصوص ونامزد کئے بغیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے

انبیاء اور اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا یعنی مشرک ہو گئے رحمۃ للعالمین قاضی محمد سلیمان منصور پوری ۱/ ۲۷۲) یا مثلاً آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا ہے یعنی حلالہ کرانے والے دونوں پر لعنت کرے (جبکہ یہ حلالہ طے شدہ منصوبے کے تحت ہو) یا مثلاً اسی خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنا نسب کسی کی طرف غلط منسوب کرے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ کسی خاص شخص کو معین کر کے لعنت کرنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہی نہیں ورنہ ابوجہل اور ابولہب جیسے معاندین سب سے پہلے اس کے مستحق ہوتے۔ بالفرض اگر ثابت بھی ہوتے تو آپ ﷺ تو مورد وحی ہیں آپ کو جو علم دیا جاتا ہے اس میں خطاء کا احتمال ہی نہیں دوسروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کو معین ومخصوص کر کے لعنت کریں۔ البتہ خطبہ حجۃ الوداع میں زیر بحث جس لعنت کا ذکر آیا ہے اس کے متعلق ہر شخص کو اچھی طرح سوچ لینا چاہئے کہ کہیں وہ صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی یا سیّد وغیرہ ہونے کا جھوٹا مدعی تو نہیں ہے کہ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) وہ خود اس لعنت میں شامل ہونے کے باوجود دوسروں کے لئے بھی لعنت آمیز زبان استعمال کرتا ہو اور یوں لعنت پر لعنت کما رہا ہو، یہ بات عقلاً ونقلاً ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو نامزد کر کے لعنت کرے اور اللہ کے نزدیک جس پر لعنت کی گئی ہے وہ لعنت کا مستحق نہ ہو تو یہ لعنت پلٹ کر لعنت کرنے والے پر ہی لوٹے گی۔

۳۴۔ نسائی، مسلم عن ام حصینؓ بحوالہ البدایۃ والنھایۃ ۵/ ۱۸۶۔۱۸۷

۳۵۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ بحوالہ سیرۃ النبی شبلی نعمانی ۲/ ۱۵۵

۳۶۔ صحیح بخاری عن ابی بکرہؓ ۱/ ۲۳۴۔۲۳۵ باب الخطبۃ یوم منیٰ۔

۳۷۔ مجمع الزوائد للھیثمی ۳/ ۲۱۸ بحوالہ مجلہ السیرۃ عالمی شمارہ نمبر ۹۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز۔ کراچی ص ۱۵۲ حاشیہ نمبر ۱۶۶ مقالہ خطبہ حجۃ الوداع از پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد

۳۸۔ ایضاً۔ حاشیہ نمبر ۱۶۸

۱/۳۹۔ ابن حزم بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۱۸۷

۲/۳۹۔ طبقات ابن سعد ۲/ ۱۸۵

۴۰۔ صحیح مسلم عن ام حصینؓ بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۱۸۷

۴۱۔ صحیح بخاری عن ابی بکرہؓ ۱/ ۲۳۴۔۲۳۵ باب الخطبۃ ایام منیٰ

۴۲۔ البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۱۸۷

۴۳۔ نسائی عن سلیمان بن عمرو عن ابیہ بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۱۸۸

۴۴۔ اہل السنن الاربعہ من حدیث اسماعیل بن عیاش بحوالہ ایضاً ۵/ ۱۸۹

۴۵۔ احمد عن ابی امامہ، ترمذی عن زید بن الحباب بحوالہ ایضاً ۵/ ۱۸۸

۴۶۔ جمع الفوائد ۱/۳۳۴، حدیث رقم ۳۶۳۰

۴۷۔ ترمذی ۲/۳۹ ومتعلقہ حواشی

۴۸۔ ابن ماجہ عن جبیرؓ بن مطعم صفحہ ۲۲۶ باب الخطبۃ یوم النحر

۴۹/۱۔ صحیح بخاری ۱/۴۷۰، ۲، ۱۰۵۵ (کتاب الفتن باب ذکر الدجال)

۴۹/۲۔ صحیحین، ابوداؤد، نسائی، احمد عن ابی بکرہؓ

۵۰۔ مسند الامام الربیع بن حبیب صفحہ ۲۳۰ بحوالہ مجلہ السیرہ عالمی شمارہ نمبر ۹ حاشیہ ۱۲۸، ۱۲۹ مقالہ خطبہ حجۃ الوداع۔ پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد

۵۱۔ ابن ماجہ عن عبداللہؓ بن مسعود صفحہ ۲۲۶ باب الخطبۃ یوم النحر

۵۲۔ صحیح بخاری ۱/۲۳۴۔۲۳۵ باب الخطبۃ ایام منیٰ (عن ابی بکرہؓ)

۵۳۔ کفر کا لغوی معنیٰ چھپانے کا بھی ہے۔ یہاں بعض حضرات نے کفر کو اسی لغوی معنیٰ میں لیتے ہوئے کفار کا مفہوم المتکفرون بالسلاح لیا ہے، یعنی میرے بعد تم ہتھیار پوش ہو کر مختلف جماعتوں میں بٹ کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنے لگو۔ ہتھیار پوشی سے جسم کے متعلقہ حصے چھپ جاتے ہیں، اسی معنیٰ میں فلا ترجعوا بعدی کفارا کہا گیا ہے۔ بعض حضرات نے کفر کو اصطلاحی معنیٰ میں لیتے ہوئے یہ مفہوم اختیار کیا ہے کہ میرے بعد (ارتداد اختیار کر کے) کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ یوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ظہور پذیر فتنۂ ارتداد کی طرف اشارہ فرمایا تھا جس کا خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بطریق احسن استیصال فرمایا تھا۔ یہی دوسرا قول راجح اور متبادر الی الفہم (فوراً سمجھ میں آنے والا) ہے۔ جیسا کہ خطبے کے دوسرے حصوں سے بھی واضح ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف فتنوں کی نشاندہی فرمائی جن میں فتنۂ ارتداد اولیں فتنہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ظاہر ہوا۔ اسی فتنے کی طرف سورۂ مائدہ کی اس آیت ارتداد میں بھی واضح اشارہ موجود ہے یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یأتی اللہ بقوم یحبّھم و یحبّونہ اذلّۃ علی المؤمنین اعزّۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء و اللہ واسع علیم (المائدہ، ۵۴) ''اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو عن قریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ (اللہ) ان سے محبت کرے گا اور وہ اس (اللہ) سے محبت کریں گے وہ مومنین کے لئے نرم اور کافروں پر سخت ہونگے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے وہ عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا (اور) جاننے والا ہے''۔ گو جملہ شرطیہ میں موجود شرط و جزا کا خارج میں وجود یا ظہور ہر حال میں ضروری نہیں ہوا کرتا لیکن بعد میں اگر خارج میں اس کا ظہور ہو جائے تو یہ کہنا بالکل

حق بجانب ہوگا کہ اس جملہ شرطیہ سے مستقبل میں ظاہر ہونے والے متعلقہ واقعے کی طرف اشارہ مقصود تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے فوراً بعد یہ فتنہ مانعین زکوٰۃ اور نبوت کے جھوٹے مدعیان کی صورت میں ظاہر ہوا بلکہ جھوٹے مدعیان نبوت کا فتنہ تو آپ ﷺ کی دنیوی حیاتطیبہ کے آخری ایام میں ہی نمودار ہوگیا تھا اور ایک متنبّی (جھوٹا نبی) اسود عنسی آپ ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں ہی مقتول ہوکر جہنم رسید ہوا۔ دوسرے جھوٹے مدعیان نبوت اور مانعین زکوٰۃ کا استیصال آپؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں ہوا۔ اور اس کا اقرار بعض جید امامیہ علما نے بھی کیا ہے مثلاً مشہور امامیہ مفسر علامہ کاشانی نے اپنی تفسیر منہج الصادقین میں مذکورہ آیت ارتداد کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کے ضروری اقتباسات درج ذیل ہیں۔

(الف) در تاریخ مذکور است کہ سیزدہ قبائل از اسلام مرتد شدند۔ سہ در آخر عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ..... و قتل اسود در شبے واقع شد کہ در صبح آں رسول خدا صلعم بحوالہ رحمت ایزدی پیوست .....

(ب) و بعد ازاں رسول خدا بیمار شد و بحوالہ ایزدی پیوست و کار مسیلمہ قوت گرفت و ابوبکر چوں بخلافت بنشست خالد بن ولید را با جماعتے بجانب خیبر فرستاد تا اورا مقہور کردند .....

(ج) و در عہد ابوبکرؓ ہفت قبیلہ مرتد شدند ..... حق تعالیٰ شر ایشاں را کفایت کرد و بر دست مسلماناں بقتل آمدند ..... در زمانہ عمرؓ غسان قوم جبلہ بن ایہم نصرانی شدہ ..... نقل کردہ اند کہ آیت در بارہ ابوبکرؓ و اصحاب او است کہ با اہل ردّہ کارزار کردند (تفسیر منہج الصادقین ۳/ ۲۴۸۔۲۴۹)

ترجمہ : (الف) تاریخ میں مذکور ہے کہ تیرہ قبائل اسلام سے مرتد ہوئے۔ تین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے آخر میں (مرتد ہوئے) ..... اور اسود (عنسی نبوت کے جھوٹے مدعی) کا قتل اس رات کو ہوا جس کی صبح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔۔

(ب) اور اس کے بعد رسول خدا بیمار ہوگئے اور رحلت فرما گئے۔ مسیلمہ (کذّاب نبوت کے جھوٹے مدعی) نے قوت پکڑلی۔ جب ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے خالدؓ بن ولید کو ایک جماعت کے ہمراہ خیبر کی جانب بھیجا یہاں تک کہ انہوں نے اس (مسیلمہ) کو مغلوب کر دیا

(ج) اور ابوبکرؓ کے دور میں سات قبائل مرتد ہوئے ..... اللہ تعالیٰ نے ان کے شر کو دور فرمایا اور وہ لوگ مسلمانوں کے ہاتھوں مقتول ہوئے ..... عمرؓ کے زمانے میں جبلہ بن ایہم کی قوم غسان نصرانی ہوگئی ..... (مفسرین و مؤرخین) بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ابوبکرؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں ہے کہ انہوں نے مرتدین کے خلاف جنگ لڑی تھی۔ وعدہ اور وعید کے متعلق مستقبل کی کسی خبر کو قدرے مبہم رکھ کر کلام میں بعض اوقات جس انتظاری کیفیت کو پیدا کیا جاتا ہے وہ بلاوجہ نہیں ہوا کرتی بلکہ اس لئے مطلوب و مقصود ہوتی ہے کہ موافقین (اپنے لوگ) بشارت سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونے کے لئے خارج میں اس بشارت کے ظہور کے نہ صرف منتظر رہیں بلکہ بغور یہ مشاہدہ بھی

کریں کہ اس بشارت کا ظہور عالم اسباب کے تحت کن لوگوں کے ذریعے اور کیسے ہوتا ہے۔ جبکہ مخالفین اپنے خلاف متوقع خطرات کی شدت کو زیادہ سے زیادہ محسوس کرسکیں تاکہ جو اپنی اصلاح چاہتے ہوں، یہ انتظاری کیفیت انہیں اصلاح اور درستی کی جانب مائل کرسکے۔ جب وعدہ اور وعید پر مشتمل خبر کا خارج میں ظہور ہوجاتا ہے تو انتظاری کیفیت کے ساتھ جو عارضی ابہام تھا وہ بھی رفع ہوجاتا ہے اور پوری صورت حال اچھی طرح نکھر کر سب کے سامنے آجاتی ہے چنانچہ بعد میں دنیا نے دیکھ لیا کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کا دل وجان سے ساتھ دینے والے صحابہ کرامؓ ہی وہ قوم ہیں جس کا ذکر آیت ارتداد میں ہے اور آیت میں انہی حضرات کے اوصاف حمیدہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ دنیا نے یہ بھی دیکھ لیا کہ کون لوگ اس فتنۂ ارتداد میں ملوث ہوکر اپنی عاقبت کو برباد کر بیٹھے اور ان میں سے کن لوگوں کی بالآخر آنکھیں کھل گئیں اور وہ اس فتنے سے نکل کر دوبارہ صراط مستقیم پر آگئے۔ فتح مکہ کے بعد عموماً اور غزوۂ تبوک کے بعد خصوصاً جزیرہ نمائے عرب کے اطراف و جوانب سے وفود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان وفود میں متعلقہ قبائل کے سارے کے سارے لوگ شامل نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کے کچھ افراد ہی حاضر خدمت ہوسکتے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ بعد میں مرتد ہوئے اور قبائل کے بہت سے لوگ تو ایسے بھی تھے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تک نہ تھا۔ وفود کی صورت میں آنے والے ان لوگوں کی بڑی اکثریت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کسی جہاد میں حصہ ہی نہیں لیا تھا کیونکہ غزوہ تبوک آخری غزوہ تھا، نہ ہی ان لوگوں کو رسول اکرم ﷺ یا آپ کے اصحاب سے تربیت و اصلاح کے مواقع حاصل ہوئے، قرآن وحدیث میں مذکور فتنۂ ارتداد کی خبروں کو خلفائے راشدینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ پر چسپاں کرنے کی کج فہمی کی قرآن کریم سے بھرپور نفی ہوتی ہے۔ یہاں محض چند حوالوں پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے:

(الف) جن صحابہ کرامؓ نے قبلہ اول بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کے بقاء کی ضمانت دے دی **و ما کان اللہ لیضیع ایمانکم ان اللہ بالناس لرؤوف رحیم** (البقرۃ:۱۴۳) ''اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمان کو ضائع کردے بے شک اللہ لوگوں پر بڑا مشفق (اور) مہربان ہے''۔ ایمان سے اگر نماز مراد لی جائے تو کسی بھی نیک کام کے اجر کی بقا سے ایمان کی بقا بھی لازم آتی ہے، کیونکہ مرتد کی نیکیاں بالاتفاق برباد ہوجاتی ہیں۔ تحویل قبلہ (قبلہ بدلنے) اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے حکم سے پہلے جو رحلت فرما گئے یا جو زندہ رہے وہ سب کے سب مذکورہ آیت کے مصداق ہوئے۔ منافق کا تو سرے سے ایمان ہوتا ہی نہیں لہٰذا منافقین مذکورہ آیت کے مصداق سے ازخود نکل گئے، اور چونکہ کفار و منافقین کے خلاف جہاد اور سختی

کرنے کا تاکیدی حکم اللہ تعالیٰ نے خاص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے دو مرتبہ دیا ہے (التوبۃ: ۷۳، التحریم: ۹) لہٰذا جن حضرات سے آپ ﷺ نے آخر دم تک مضبوط معاشرتی روابط برقرار رکھے وہ ہرگز منافق نہیں ہو سکتے، جن خوش نصیب حضرات نے اپنی ولایت اور سرپرستی میں اپنی بیٹیاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں دیں وہ ہرگز منافق نہیں ہو سکتے اور جن خوش نصیب حضرات کی زوجیت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹیاں دیں وہ ہرگز منافق نہیں ہو سکتے، بلکہ آپ ﷺ اپنی ربیبات (پروردہ خواتین) کو بھی ہرگز منافقین کے حوالے نہیں کر سکتے۔ تمام خلفائے راشدینؓ کے آپ ﷺ سے صہری (نکاح کے رشتے کے) روابط ہیں۔

(ب) غزوہ بدر میں کوئی بھی منافق ہرگز شامل نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس غزوے کے سلسلے میں صرف دو متحارب جماعتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ ایک جماعت اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسری جماعت کفار کی تھی فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخریٰ کافرۃ (آل عمران: ۱۳) اگر اس غزوے میں مسلمانوں کے ساتھ منافقین بھی ہوتے تو اللہ تعالیٰ دو کی بجائے تین جماعتوں کا ذکر فرماتا، نیز منافق کا قتال ہرگز قتال فی سبیل اللہ نہیں کہلاتا۔ اس متعلقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے غزوے میں شامل صحابہ کرامؓ کی مدح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے واللہ یؤید بنصرہ من یشآء ''اللہ اپنی مدد سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے'' اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید ہمیشہ اس کے مقرب بندوں کو حاصل ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں اس طرح کا مضمون ہرگز نہیں ملے گا کہ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی مدد کی، فرعون کی تائید کی وغیرہ۔ کفار کو دنیا میں بظاہر جو مفادات حاصل ہوتے ہیں انہیں اللہ کی نصرت و تائید نہیں بلکہ استدراج (آہستہ آہستہ عذاب کی گرفت میں لے آنا) قرار دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہے، وہ کبھی ان لوگوں کی مدح نہیں کرتا جو فی الحال کافر یا منافق ہوں یا مستقبل میں مرتد ہونے والے ہوں۔

(ج) صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت میں شامل افراد کی اللہ تعالیٰ نے بے حد مدح فرمائی ہے اور مستقبل قریب و بعید میں فتوحات و غنائم کی لگاتار بشارتوں سے انہیں نوازا ہے، ان سے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا ہے (الفتح: ۱۸۔۲۲) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوا کرتا (التوبۃ: ۹۶)۔

(د) قرآن کریم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا ایھا النبی لا تطع الکافرین و المنافقین و دع اذاھم وتوکل علی اللہ (الاحزاب: ۴۸) اے نبی! تو کافروں اور منافقوں کا کہا نہ مان اور ان کی (طرف سے پہنچائی گئی) ایذا کو نظر انداز کر اور اللہ پر توکل کر''۔ نیز ارشاد ہے ولاتطع منھم اثما او کفورا (الدھر: ۲۴) ''اور تو ان میں سے کسی گناہ گار اور ناشکرے کی بات نہ مان'' نیز ارشاد ہے ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا اتبع ھواہ و کان امرہ فُرُطا (الکہف: ۲۷) ''اور تو اس شخص کی بات نہ مان جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل

کر دیا اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی کی اور جس کا کام افراط وتفریط میں مبتلا ہونا ہے''۔
اس طرح کی آیات کے نزول کے بعد ہرگز یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کفار و مشرکین تو ایک طرف رہے منافقین اور اسی طرح فاسق و فاجر لوگوں سے مشورے لیں اور ان کی باتوں کو مان کر ان پر عمل کریں۔ حضرات شیخینؓ سے خصوصاً اور دیگر صحابہ کرامؓ سے عموماً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدت العمر مشورہ فرماتے بھی رہے اور ان کے مشوروں کو شرف قبولیت بھی بخشتے رہے۔ مثلاً غزوہ بدر کے جنگی قیدیوں کے متعلق حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مشورہ قبول فرمایا۔ صلح حدیبیہ سے پہلے قریش مکہ کے حلیف قبائل کے خلاف جنگ کی ابتدا نہ کرنے کا جو مشورہ ابوبکر صدیقؓ نے دیا تھا آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔ صلح نامہ حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا تھا کہ قریش مکہ کے پاس بطور سفیر مجھے بھیجنے کی بجائے حضرت عثمانؓ کو بھیجنا زیادہ مناسب ہوگا۔ آپ ﷺ نے مشورہ قبول فرمایا۔ غزوہ احد کے موقع پر نوجوان صحابہؓ کی رائے تھی کہ شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے آپ ﷺ نے اپنی خواہش اور مرضی کو نظر انداز کر کے ان نوجوان صحابہؓ کی رائے پر عمل فرمایا۔ غزوہ خندق کے موقع پر آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے مشورے کو بخوشی قبول فرمایا کہ غطفانی قبائل کو مدینے کی کھجوروں کی پیداوار کا کچھ حصہ دے کر ان سے صلح ہرگز مناسب نہیں ہے، حالانکہ آپ ﷺ کے خیال یہ تھا کہ اگر ایسی مصالحت ہو جائے تو یہ غطفانی قبائل قریش مکہ سے الگ تھلگ ہو جائیں گے اور مسلمانوں پر کفار کا دباؤ کمزور پڑ جائے گا۔ اس طرح کی بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، پس یہ حضرات مذکورہ آیات کی روشنی میں کافر و منافق نہیں تھے، گناہ گار اور ناشکرے نہیں تھے، اللہ کی یاد سے ان کے قلوب غافل نہیں تھے، وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے نہیں تھے اور نہ ہی دین کے معاملے میں وہ کسی افراط وتفریط کا شکار تھے۔

(ھ) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مسلمانوں کو کفار سے دوستی قائم کرنے سے بارہا منع فرمایا ہے لیکن فتح مکہ سے پہلے قریش کے متعلق فرمایا **عسی اللہ ان یجعل بینکم و بین الذین عادیتم منھم مودۃ و اللہ قدیر و اللہ غفور رحیم** (الممتحنہ:۷) ''بہت ممکن ہے کہ اللہ تمہارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جن سے تمہاری دشمنی ہے، محبت پیدا کر دے اور اللہ (دلوں کا حال بدلنے پر) قادر ہے اور اللہ (بڑے بڑے گناہ گاروں اور مجرموں کے لئے بھی) نہایت بخشنے والا (اور) نہایت مہربان ہے''۔ فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے فوراً یا کچھ مدت کے بعد کفر و نفاق سے پاک و صاف ہونے والے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان سے محبت قائم ہونے کی بشارت ہی کیوں دیتا اور اس محبت پیدا کرنے کو اپنی طرف منسوب کیوں فرماتا؟۔ غزوہ حنین و اوطاس میں حاصل ہونے والے بیش بہا اموال غنیمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلب کے لئے زیادہ تر

انہی نومسلم قریش مکہ کو دلئے۔ مہاجرین کو بہت کم اور انصار کو کچھ بھی نہ دیا۔ کفار ومنافقین پر تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سختی کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ ان حالات میں کیسے ممکن تھا کہ آپ تقسیمت کے بظاہر اصل مستحقین کو نظرانداز کر کے کفار ومنافقین کے گھر ان اموال غنیمت سے بھر دیں؟

(د) سورہ حدید میں ہے کہ جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں مال) خرچ کیا اور قتال کیا ہے، انکا درجہ ان سے بہت بلند ہے جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد مال خرچ کیا اور قتال کیا اور (ویسے تو) اللہ نے ہر ایک سے حسنیٰ (بھلائی) کا وعدہ کر رکھا ہے (الحدید: ۱۰) اور سورہ انبیاء میں ہے کہ جنہیں حسنیٰ (بھلائی) ہماری طرف سے پہلے ہی مل چکی ہو وہ اس (جہنم سے دور رکھے جائیں گے وہ اسکی آواز تک نہیں سنیں گے اور جن نعمتوں کو ان کا دل چاہے گا وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے (الانبیاء: ۱۰۱، ۱۰۲) الغرض آیت قتالِ مرتدین کا صحیح مفہوم اور مصداق کسی ذی فہم سے مخفی نہیں رہ سکتا، سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کریم میں اہل ارتداد کے مغلوب ومقہور ہونے کی پیشن گوئی ہے، جبکہ خلفائے راشدین غالب وکامیاب رہے۔

(۵۴۔۵۵): حجۃ الوداع کے خطبات میں بعض مضامین کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار دہرایا تھا مثلاً آپ ﷺ نے کوئی موقع ایسا نہیں چھوڑا جس میں یہ بات نہ دہرائی گئی ہو کہ جس طرح یہ شہر (مکہ معظمہ)، یہ مہینہ (ذی الحجہ) اور یہ دن (حسب موقع یوم عرفہ، یوم النحر اور یوم الرؤوس) محترم ہے اسی طرح تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر باہم حرام ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو اور بعض روایات کے مطابق یہ فرمایا تھا کہ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ ابن ماجہ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں حدیث حوض کا مضمون بھی بیان فرمایا تھا کہ حوض (کوثر) پر کچھ لوگ مجھ سے علیحدہ کر دیئے جائیں گے، میں کہوں گا یہ تو میرے اصحاب ہیں اور بعض روایات کے مطابق اصیحاب (چند ساتھی) ہیں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے کہے گا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے بعد انہوں نے کون کون سے نئے کام کئے انک لا تدری ما احدثوا بعدک۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ کفر کی ہر صورت یقیناً گمراہی ہے لیکن ہر گمراہی اور ہر احداث فی الدین (بدعت) کا حدِ کفر تک پہنچنا ضروری نہیں۔ جن لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد کفر کیا ان کے متعلق قبل ازیں واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کی طرف اشارہ آیت قتالِ مرتدین میں کیا گیا تھا یہی وہ لوگ ہیں جو احدث فی الدین (دین کے اندر نئی نئی باتیں نکالنے میں) حدِ کفر تک پہنچ گئے اور ان کے خلاف حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جہاد فرمایا تو لاتعداد لوگ اسلام میں دوبارہ داخل ہوئے اور بہت سے حالت کفر وارتداد میں مر گئے۔ یہی لوگ حدیث حوض کے اصل مصداق ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے وھم المرتدون الذین ارتدوا علیٰ عھد ابی بکرؓ، قاتلھم ابوبکر رضی

اللہ عنہ (صحیح بخاری ۱/۴۹۰) یہ مرتدین (جن کا حدیث حوض میں ذکر ہے) وہی لوگ ہیں جو ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں مرتد ہو گئے تھے جن کے خلاف ابوبکر صدیقؓ نے قتال کیا''۔ فتح الباری میں امام خطابیؒ کا قول نقل کیا گیا ہے''لم یرتد من الصحابة احد و انما ارتد قوم من جفاة الاعراب ممن لا نهرة له فی الدین و ذالک لایوجب قد حافی الصحابة المشهورین و یدل قوله "اصیحابی" بالتصغیر علیٰ قلّة عددهم (فتح الباری ۱۱/۳۸۵۔ کتاب الرقاق باب الحشر) ''صحابہ کرامؓ (مہاجرین وانصار اور مؤلفۃ القلوب قریش مکہ) میں سے کوئی بھی مرتد نہیں ہوا۔ البتہ اجڈ قسم کے بدوؤں کی ایک جماعت ضرور مرتد ہوئی جن کی دین میں کوئی نصرت نہیں تھی اور یہ بات مشہور صحابہ کرامؓ کے بارے میں موجب قدح نہیں۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا) بصیغۂ تصغیر اُصیحابی (میرے چند صحابی) فرمانا مرتدین کی تعداد کی قلت کو واضح کرتا ہے'' بعض اہل علم نے یہاں اصحاب کو لغوی معنیٰ میں لیتے ہوئے عام امتی مراد لئے ہیں، کیونکہ اس طرح کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی طرح فرمائیں گے کہ جب تک میں ان لوگوں کے اندر موجود رہا مجھے ان کے حال کا پتہ تھا اور جب تو نے مجھے اٹھالیا تو پھر تو ہی ان پر نگہبان تھا۔ ظاہر ہے یہاں حضرت عیسیٰؑ اپنے حواریوں کی بات نہیں کر رہے بلکہ اپنی امت کی بات کر رہے ہیں ورنہ حواری الوہیت مسیح اور تثلیث وغیرہ کے کبھی قائل نہیں تھے، یہ عقائد تو عیسائیوں میں بہت بعد کی پیداوار ہیں۔ اصحاب کے لغوی مفہوم میں ہم زمانہ ہونے کا معنیٰ پایا جانا ضروری نہیں، مثلاً اصحاب ابی حنیفہؒ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لازماً امام ابوحنیفہؒ کے ہم عصر بھی ہوں۔ آیئے اب دیکھیں کہ حرمت والے مہینے ذی الحجہ، حرمت والے شہر (مکہ معظمہ) اور حرمت والے ایام ذی الحجہ کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار حوالہ دے کر کن لوگوں کی نشاندہی فرمائی تھی؟ ذی الحجہ کا مہینہ دیگر حرمت والے مہینوں سے اس لئے ممتاز ہے کہ یہ حج کا مہینہ ہے جو ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے۔ اس مہینے کی بے حرمتی ایام حج میں اگر مکہ مکرمہ کی حدود حرم سے باہر بھی کی جائے تو بھی اس لحاظ سے زیادہ سنگین جرم ہے کہ فساد زدہ علاقے سے حج پر آنے والے لوگوں کو جب اس فساد کی اطلاع ہوگی تو وہ پریشان ہونگے اور مناسکِ حج دلجمعی اور اطمینان سے ادا نہیں کر سکیں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے کئی سالوں کے بعد سبائیت زدہ روافض، نواصب اور خوارج کی طرف سے خونریزی کا آغاز ذی الحجہ ہی کے مہینے میں ہوا ہے۔ اس سے ان اہل بدعت وضلال کو پہچاننا کسی کے لئے مشکل نہیں جن کی جانب حجۃ الوداع اور غدیر خم کے خطبات میں اشارہ کیا گیا ہے، غور کیجئے کہ جس ذی الحجہ کی حرمت کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار حوالہ دے رہے ہیں، کیا ذی الحجہ کے مہینے کی حرمت کو عبداللہ بن سبا کے فتنے میں کم وبیش ملوث قاتلینِ عثمانؓ نے ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے پامال نہیں کیا؟ حجۃ الوداع میں یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو

بالاتفاق جمعہ کا دن تھا۔ یوں تو حرمت والے مہینوں خصوصاً ذی الحجہ کا ہر دن حرمت والا ہے، لیکن جمعہ کا دن تو مزید حرمت والا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عرفہ کے خطبے میں اس دن کی حرمت کا حوالہ بھی تو دیا تھا تو کیا قاتلین عثمان نے جمعۃ المبارک کے دن حضرت عثمان ذوالنورینؓ خلیفۂ راشد کو شہید کر کے جمعہ کی حرمت کو پامال نہیں کیا؟ یاد رہے کہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری (یوم شہادتِ عثمان) کو جمعہ کا دن تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبات میں مکہ مکرمہ کی حرمت کا حوالہ بھی تو دیا تھا۔ کیا مدینہ منورہ بھی حرمت والا شہر نہیں ہے اور کیا قاتلین عثمان نے اس شہر کی حرمت کو پامال نہیں کیا؟ کیا انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عثمان ذوالنورینؓ سے رشتۂ مصاھرت کی حرمت کو پامال نہیں کیا؟ کیا انہوں نے اسلامی امارت وخلافت کے منصبی وقار کو پامال نہیں کیا؟ کیا انہوں نے چادر اور چار دیواری کی حرمت کو پامال نہیں کیا؟ ان حرمتوں کو پامال کرنے والے قاتلین عثمان اور ان کے ہمنواؤں میں سے خوارج کا ظہور ہوا، لہٰذا بطور خاص ذی الحجہ کی حرمت کی پامالی خوارج کے حصے میں بھی آئی، یعنی جن لوگوں نے ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری بروز جمعۃ المبارک حضرت عثمانؓ کو شہید کیا ان میں یہ خوارج بھی شامل تھے۔ سیدنا حضرت حسینؓ کی شہادت اور سانحہ کربلا کے ذمہ دار بیوفا، دغاباز سبائیت زدہ کوفیوں اور ظالم ابن زیاد کے ناصبی ہم نواؤں نے خونریزی کا آغاز بھی ذی الحجہ ہی میں کیا کہ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو اسی محرم مہینے میں شہید کیا گیا، بلکہ بعض روایات کے مطابق انہیں یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو شہید کیا گیا (البدایۃ والنہایۃ ۸/۱۵۰) پھر سیدنا حضرت حسینؓ اور ان کے مخلص ساتھیوں کو بھی محرم کے حرمت والے مہینے اور ۱۰ محرم (یوم عاشور) کے حرمت والے دن شہید کیا۔ ان ظالموں نے قاتلین عثمان کی طرح نہ تو حرمت والے مہینوں کا خیال کیا، نہ ہی حرمت والے دنوں کو ملحوظ رکھا اور نہ ہی مظلوم شہید اسیدنا حضرت حسینؓ، ان کے اقارب اور حضرت مسلم بن عقیلؓ وغیرہ کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی جانب کوئی توجہ دی۔ یزید کے دور حکومت میں مدینہ منورہ پر مسلم بن عقبہ کی زیر کمان حملہ بھی نواصب نے ذی الحجہ ہی کے مہینے میں کیا (البدایۃ والنہایۃ ۸/۲۰۹)۔ نواصب وہ لوگ ہیں جو یزید کو خلیفۂ راشد اور سیدنا حضرت حسینؓ کو (معاذ اللہ) باغی قرار دیتے ہیں۔ ان سبائیوں اور ناصبیوں نے سیدنا حضرت حسینؓ کی ان تمام پاکیزہ مساعی کو بھی سبوتاژ کیا جو انہوں نے خونریزی سے بچنے اور امن و امان کو بحال رکھنے کی خاطر یزید سے مصالحت کے لئے کیں۔ سیدنا حضرت علیؓ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے مخلص اور وفادار ساتھیوں کے مقام ومرتبہ اور شرف وعظمت سے کسی مسلمان کو ہرگز انکار نہیں ہوسکتا لیکن ان نفوس قدسیہ کا بظاہر ساتھ دینے والے مگر درحقیقت بیوفا اور سبائیت زدہ لوگوں نے انہیں قدم قدم پر دھوکہ دیا۔ غور کیجئے ان تمام فتنوں کی بنیاد اور تفریق بین المؤمنین کا آغاز قاتلین عثمان ہی نے کیا تھا، اسی لئے تو حضرت عثمانؓ نے اپنی شہادت سے قبل انہیں متنبہ فرمایا تھا کہ تم

نے مجھے قتل کر ڈالا تو واللہ! تمہاری باہم محبت ختم ہو جائے گی اور تم بعد میں اکٹھے نماز نہیں پڑھ سکو گے، اور نہ ہی تم کبھی اکٹھے ہو کر دشمن سے مقابلہ کر سکو گے (خلیفہ بن خیاط بحوالہ البدایۃ والنھایۃ ۷/ ۱۳۷) اللہ تعالیٰ سچے دین اسلام کا محافظ ہے۔ قاتلین عثمان نے جس فتنہ وفساد کی بنیاد رکھی، اس کے خطرناک عواقب کو بڑی حد تک غیر مؤثر بنانے کے اسباب قوانین فطرت کے تحت بہت جلد نمودار ہوئے، کیونکہ اس فتنے کے استیصال میں قوانین شریعت کو بروئے کار لانا سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے انتہائی نیک نفس اور متقی شخص کے لئے بھی مشکل بلکہ ناممکن ثابت ہو رہا تھا۔ انہی قاتلین عثمان اور ان کے ہم نواؤں نے فریقین میں مصالحت کے باوجود دھوکے سے جنگ جمل کی آگ بھڑکائی تھی۔ یہ لوگ ضمیر کی اس خلش سے محروم تھے جو بسا اوقات کسی مجرم کو اعتراف جرم پر آمادہ اور مجبور کر دیتی ہے۔ تاریخی روایات میں قاتلین عثمان کے جو چند نام مذکور ہیں قانون کی نگاہ میں ان کی حیثیت افواہوں (Heanssays) سے زیادہ نہیں۔ حضرت عثمانؓ کی اہلیہ حضرت نائلہؓ محمد بن ابی بکر کے سوا کسی اور کو پہچانتی نہ تھیں۔ اس سے سیدنا حضرت علیؓ نے باز پرس فرمائی تو اس نے کہا کہ حضرت عثمانؓ کے عار دلانے پر میں واپس آ گیا تھا۔ سیدنا حضرت علیؓ کی فوج کے جن ہزاروں لوگوں نے یہ نعرہ بلند کیا تھا کہ ہم سب قاتلین عثمان ہیں تو وہ دراصل اعتراف جرم کے طور پر نہیں بلکہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو مشتعل کرنا ان کا اولین مقصد تھا۔ صفین کے میدان میں بھی قاتلین عثمان کے ہم نواؤں نے کوئی بیس ہزار کی تعداد میں باہر نکل کر اعلان کیا کہ ہم سب قاتلین عثمان ہیں، ان کی یہی اشتعال انگیزی اب پھر ذی الحجہ کی حرمت کی پامالی کا سبب بنی، کیونکہ حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کے خلاف فوج کشی کی تو انہوں نے اپنی طرف سے جنگ سے بچنے کی بڑی کوشش کی لیکن فریقین میں موجود مفسدین کی اشتعال انگیزی سے جنگ صفین کا آغاز بھی سال ۳۶ ہجری کے ذی الحجہ کے مہینے میں ہوا (البدایۃ والنہایۃ ۷/۲۴۴، ۲۴۶) جہاں تک اصحاب رسول اور ان کے مخلص ساتھیوں کا تعلق ہے وہ اس سے بری الذمہ ہیں۔ مشتبہ افراد پر جسمانی یا ذہنی اذیت روا رکھ کر اصل مجرموں کو تلاش کرنا اقضاہم علی (سب سے بڑھ کر عدل وانصاف سے فیصلہ کرنے والے) کے مصداق خلافت راشدہ علی منہاج النبوۃ کے منصب جلیلہ پر فائز سیدنا حضرت علیؓ کے لئے ممکن نہ تھا۔ وہ شرعی ثبوت کے بغیر کسی بھی ملزم کو مجرم قرار دینے کے قائل نہیں تھے اگرچہ اس طرز عمل سے انتظامی تقاضے ہم آہنگ نہ ہوں۔ ادھر حضرت معاویہؓ سراسر انتظامی سوچ کے حامل تھے وہ عدل وانصاف کے بے لچک پیمانوں کو نظر انداز کر کے ہر اس شخص پر بلا دریغ ہاتھ ڈالنے کے لئے بے تاب تھے جس پر قتل عثمان میں ملوث ہونے کا معمولی سا بھی شبہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں حضرات کی مدد فرمائی کہ فریقین میں موجود مفسدین نے اپنی اشتعال انگیزیوں کو خود ہی ہوا دی اور لوگ اپنی مرضی سے باہم کشت وخون میں ملوث ہوئے اور دونوں طرف اسی قماش کے لوگوں کی بھاری اکثریت دنیا میں ہی اپنے کیفر کردار

کو از خود پہنچ گئی، لہٰذا ان جنگوں میں مقتولین کی مبینہ تعداد اگر چہ مبالغہ آمیز ہے، لیکن اس سے پریشان ہونے اور صحابہ کرامؓ کو ناحق بدنام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، ان فتنہ جو لوگوں کا اُخروی معاملہ اللہ کے سپرد ہے، وہ جسے چاہے معاف فرمائے اور جس کا چاہے وہ مؤاخذہ فرمائے۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ خبیث الفطرت لوگ دونوں طرف موجود تھے۔ حضرت معاویہؓ کے لشکر میں حضرت عمار بن یاسرؓ کے بدبخت قاتل موجود تھے۔ حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص دونوں نے قاتلین عمارؓ کو جہنمی قرار دیا تھا (البدایۃ والنھایۃ ۷/۲۵۴) حضرت معاویہ کا یہ کہنا کہ حضرت عمارؓ کے قاتل وہی ہیں جو انہیں جنگ کے لئے لائے تھے، تو ان کا اشارہ ہرگز حضرت علیؓ اور ان کے مخلص ساتھیوں کی طرف نہ تھا بلکہ قاتلین عثمان اور اسی طرح ان کے ہم نواؤں کی جانب تھا۔ دوسری طرف حضرت علیؓ کی فوج میں حضرت زبیرؓ کے قاتل عمرو بن جرموز جیسے لوگوں کی کمی نہ تھی، اس بدبخت عمرو بن جرموز نے جنگ جمل کے بعد انعام کے لالچ میں حضرت علیؓ کو یہ خبر دی کہ میں نے زبیر کو قتل کیا ہے تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ابن صفیہ (حضرت زبیر رضی اللہ عنہ) کے قاتل کو جہنم کی بشارت سنا دو اور اسے اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی، شمر ذی الجوشن سانحہ کربلا کا خبیث ترین شیطانی کردار ہے یہ شخص جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھا (تاریخ طبری ۵/۲۸) اس طرح کے جو لوگ ان جنگوں سے بچ گئے تو بعد میں اللہ تعالیٰ نے سبائیوں پر ابن زیاد اور حجاج بن یوسف جیسے ظالم لوگ اور نواصب پر مختار ثقفی اور توابین جیسے لوگ مسلط کر دیئے، گو بعض نیک لوگوں کو بھی ایسے حکمرانوں سے تکالیف پہنچیں لیکن فتنہ جو مفسدین خصوصاً ان کی زد میں آئے قرآن کریم میں ہے کہ فتنے (میں شامل ہونے یا اسے نظر انداز کرنے) سے بچو کہ اس کا ضرر صرف انہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں (الانفال: ۲۵)۔ الغرض فطرت کے تعزیری قوانین ان مفسدین کا مؤاخذہ نہ کرتے تو امت مسلمہ کو مزید ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑتا۔ اس وقت تک اکثر صحابہ کرامؓ پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو چکے تھے باقی ماندہ حضرات نے بہت ہی کم ان جنگوں میں حصہ لیا وہ زیادہ تر غیر جانبدار رہے۔ چنانچہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں شہید ہونے والے اصحاب رسولؐ کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ ان کے علاوہ جن نیک لوگوں کو ان فتنوں کی وجہ سے تکلیف اٹھانی پڑی ان کے متعلق سیدنا حضرت علیؓ کا ارشاد ہے من قُتل منا و منهم يريد وجه الله والدار الأخرة دخل الجنة (السنن سعید بن منصور القسم الثانی من المجلد الثالث روایت رقم ۲۹۶۸ طبع مجلس علمی کراچی بحوالہ سیرت علی المرتضیٰ تالیف مولانا محمد نافع طبع مارچ ۱۹۹۲، ذیشان بک پیلس، ۵۵۔ اردو بازار، ملتان روڈ، لاہور) ''جو شخص ہم میں سے اور ان میں سے قتل ہوا اور وہ اللہ کی رضا اور آخرت کے گھر کا طالب ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا'' سیدنا حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ عالم الغیب ہوتے تو حضرت علیؓ کا زیاد اور حضرت معاویہؓ کا یزید کے معاملے میں رویہ یقیناً مختلف ہوتا۔ زیاد کی بیوفائی اور بعد میں اس کے

بیٹے عبیداللہ کے آل رسول کے ساتھ سنگدلی اور ظلم وستم سے پیش آنے کا حضرت علیؓ کو علم ہوتا تو وہ زیاد کو ہرگز عامل (گورنر) مقرر کر کے اس کی عزت افزائی نہ فرماتے۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ کو یزید کی نااہلی اور اہل بیت کے حق میں (حضرت معاویہؓ کی طرف سے کی گئی) وصیت کو نظر انداز کرنے کا علم ہوتا تو وہ ہرگز اس پر اعتماد کرتے ہوئے اسے اپنا جانشین مقرر نہ کرتے۔ زیاد اور یزید دونوں کا ایک ہی مادہ ''زی د'' ہے۔ دونوں کے معاملے میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے جس حسن ظن سے کام لیا بعد میں وہ اس کے اہل ثابت نہ ہوئے۔ اس میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کسی سے بھی بدظنی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ قرآن کریم نے جیسا کہ ہم آیت ارتداد کے سابقہ مباحث میں واضح کر چکے ہیں، سب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن عاقبت سے ہمیں باخبر کر دیا ہے، بعض اوقات بظاہر دو متضاد عمل اپنی اپنی جگہ مختلف حیثیتوں کے پیش نظر درست ہوتے ہیں کوئی بھی غلط نہیں ہوتا۔ مثلاً غزوہ بنی نضیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو مرعوب کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا تھا کہ یہودیوں کے کھجوروں کے درخت کاٹے جائیں کسی نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے درخت کاٹے اور کسی نے نہیں کاٹے، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے سورہ حشر میں دونوں جماعتوں کے عمل کی تصویب فرمائی اور دونوں کے عمل کو باذن اللہ قرار دیا (الحشر:۵) جنہوں نے درخت کاٹے انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کاٹے لہٰذا وہ حق پر ہیں اور جنہوں نے نہیں کاٹے ان کا خیال تھا کہ چند درختوں کے کاٹ دینے سے یہودیوں کو مرعوب کرنے کا مقصد پورا ہو چکا ہے اور باقی ماندہ درخت مسلمانوں کے ہی کام آئیں گے، چونکہ درخت نہ کاٹنے والوں کا خیال بھی اپنی جگہ پر بالکل درست ہے لہٰذا وہ بھی حق پر ہیں۔ یا مثلاً جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کے لئے کوہ طور پر تشریف لے گئے تو ان کی عدم موجودگی میں بہت سے اسرائیلیوں نے گوسالہ پرستی شروع کر دی۔ ان کی نگرانی پر مامور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برادر حقیقی حضرت ہارون علیہ السلام کا خیال ہوا کہ مزید فتنہ وفساد سے بچنے کے لئے انتظامی نقطۂ نگاہ سے ان لوگوں کا فوراً مؤاخذہ نہ کیا جائے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بعد میں حضرت ہارون علیہ السلام سے اس سلسلے میں سخت کلامی کی کیونکہ عدل وانصاف کا تقاضا یہ تھا کہ گوسالہ پرستی کرنے والوں کا فوراً مواخذہ کیا جاتا کیونکہ یہ لوگ ڈھکے چھپے نہ تھے کہ مجرموں کی تعیین کے لئے لمبی چوڑی تفتیش کی ضرورت پڑتی۔ یہاں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اپنے اپنے نقطۂ نگاہ سے دونوں حق پر ہیں ان میں سے کوئی بھی (معاذ اللہ) باطل پر نہ تھا۔ یا مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص کے کھیت میں کسی چرواہے کی بکریاں آ پڑیں اور سب کھیت چر گئیں فصل کا نقصان بکریوں کی قیمت کے برابر تھا لہٰذا حضرت داؤد علیہ السلام نے اس مقدمے کا فیصلہ یوں فرمایا کہ بکریاں کھیت والے کے حوالے کر دی جائیں اور چرواہا اپنے گھر کی راہ لے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ

السلام کو بہتر فیصلہ سمجھا دیا۔ انہوں نے یہ فیصلہ فرمایا کہ بکریوں والا اپنی بکریاں عارضی طور پر کھیت والے کے حوالے کرے اور بکریوں کا چرواہا کھیت کو کاشت کرے جب فصل حسب سابق ہو جائے تو کھیت اصل مالک کے سپرد کر دے اور اپنی بکریاں اس سے واپس لے لے۔ اس دوران کھیت کا مالک بکریوں کے دودھ سے فائدہ اٹھاتا رہے۔ اگرچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے کو بھی غلط قرار نہیں دیا بلکہ ارشاد فرمایا ہے و کلا آتینا حکما و علما (الانبیاء:۷۹) ''ہم نے (دونوں میں سے) ہر ایک کو حکم اور علم عطا فرمایا تھا'' یہاں حضرت داؤدؑ کا فیصلہ عدل و انصاف پر مبنی تھا لہذا درست تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا نقطۂ نظر یہ ہوا کہ چرواہا کوئی عادی مجرم تو ہے نہیں اتفاقاً اس سے کھیت کے مالک کا نقصان سرزد ہو گیا ہے لہذا فریقین کے مفاد کو ملحوظ رکھنا زیادہ بہتر ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ بھی اپنی جگہ پر درست بلکہ زیادہ بہتر ہے۔ قاتلین عثمان کے سلسلے میں عدل و انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ کسی ملزم کو شرعی ثبوت کے بغیر ناحق مجرم قرار نہ دیا جائے اور کسی بھی مشتبہ شخص پر اعتراف جرم کرانے کے لئے جسمانی یا ذہنی تشدد نہ کیا جائے کیونکہ اسکی زد میں بہت سے بے قصور لوگ بھی محض شبہے کی بنا پر آ جائیں گے۔ حضرت معاویہؓ کے پیش نظر امن و امان اور لوگوں کے جان و مال کا مفسدین سے تحفظ تھا لہذا وہ ہر مشتبہ شخص پر ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے۔ حالات پر حضرت علیؓ کو بالفرض مکمل گرفت حاصل ہو بھی جاتی تو قاتلین عثمان کے خلاف شرعی شہادتیں نہ ہونے کی وجہ سے کوئی پیش رفت نہ ہوتی اور یہ مفسدین آئندہ کے لئے بھی امت مسلمہ کے مفادات پر کاری ضرب لگانے سے نہ چوکتے، اور اگر حالات پر امیر معاویہؓ کا مکمل قابو (کنٹرول) ہوتا تو آٹے کے ساتھ گھن بھی یقیناً پس جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں اصحاب رسولؐ کی مدد فرمائی کہ عالم اسباب کے تحت لوگ اپنی مرضی سے کشت و خون میں ملوث ہوئے، جس سے ان کی بڑی اکثریت از خود اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئی اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ پر بھی کوئی حرف نہ آیا کیونکہ گو دونوں کا نقطۂ نگاہ مختلف تھا لیکن دونوں کا مؤقف اپنی اپنی جگہ پر بالکل درست تھا جیسا کہ ہم اوپر مثالوں سے واضح کر چکے ہیں کہ بعض اوقات بظاہر دو متضاد عمل اپنی الگ الگ حیثیت کے اعتبار سے اپنی اپنی جگہ پر درست ہوتے ہیں۔ ان فتنوں کے حقیقی ذمہ دار اور اصل مجرم سبائی، خوارج اور نواصب ہیں جنہوں نے بالخصوص ذی الحجہ کے مہینے کی حرمت کی پامالی میں حیرت انگیز طور پر اس طرح یکساں طرز عمل اختیار کیا کہ ان اہل بدعت و ضلال کی شناخت مشکل نہ رہی اور یہ امر پہلے بخوبی واضح کیا جا چکا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبات حجۃ الوداع میں ذی الحجہ کی حرمت کا بار بار حوالہ بلاوجہ نہیں دیا تھا۔

۵۶۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۱۹۱۔

۵۷۔ نسائی عن سلیمان بن عمرو عن ابیہ بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۱۹۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان

خطبات میں کہا گیا ہے کہ شیطان قیامت تک کے لئے اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے اس شہر (مکہ مکرمہ) یا تمہارے (دیگر) شہروں میں اس کی کبھی عبادت کی جائے گی۔ آج کل کے اہل بدعت نے اس کا یہ مطلب سمجھ رکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے کے ساتھ ساتھ مثلاً قبر پرستی کرے، امور غیر عادیہ میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرامؓ، اولیائے عظام یا کسی کو بھی پکارے اور ان سے مدد طلب کرے، انہیں مختارِ کل سمجھے، انہیں حاضر و ناظر خیال کرے، انہیں غیب کلی کا جاننے والا یقین کرے تو بھی وہ مشرک نہیں کہلائے گا۔ اس باطل تصور کی مکمل نفی خود ان خطبات کے دوسرے حصوں سے ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد کافر نہ ہو جانا، میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا وغیرہ چنانچہ آپ ﷺ نے اس طرح کے کلمات سے مستقبل قریب کے جس فتنۂ ارتداد کی طرف اشارہ فرمایا تھا وہ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد جلد نمودار ہو گیا کہ بہت سے لوگ مرتد ہو کر دوبارہ بت پرست اور کافر ہو گئے۔ کفر اور شرک لازم و ملزوم ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اس کے علاوہ جو گناہ ہیں وہ جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا (النساء: ۴۸) اگر شرک صرف بت پرستی کا ہی نام ہے تو جو غیر مسلم مثلاً یہودی بت پرستی نہیں کرتے تو مذکورہ قرآنی آیت کی رو سے ان کی مغفرت کی بھی گنجائش ہونی چاہئے، یعنی جو یہودیت پر مر جائے اس کی بخشش کا امکان ہونا چاہئے، حالانکہ یہ بالاتفاق غلط ہے۔ قرآن کریم میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض، بعض کو اللہ کی بجائے رب نہ بنائے پس اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں (آل عمران: ۶۴) اگر یہ لوگ مشرک نہ ہوتے تو انہیں یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کو رب نہ بنائیں نصاریٰ کے متعلق مزید ارشاد ہے کہ انہوں نے اپنے علماء، اپنے درویشوں اور مسیح بن مریمؑ کو اللہ کے ماسوا رب بنا رکھا ہے (التوبۃ: ۳۱) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے ماسوا دو معبود بنا لو (المائدہ: ۱۱۶) تمام کفار خواہ دہریے ہی کیوں نہ ہوں، اللہ اور رسول کی حاکمیت اور اتھارٹی کا صاف انکار کرتے ہوئے اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اس ہوا پرستی کے متعلق قرآن کریم میں ہے **ارأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ افانت تکون علیہ وکیلا** ○ (الفرقان: ۴۳) ''بھلا دیکھو تو سہی جس شخص نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا معبود بنا لیا ہو، کیا تو اس کا (بروز قیامت) وکیل بنے گا؟'' اس سے معلوم ہوا کہ صرف صنم پرستی ہی شرک نہیں بلکہ کواکب پرستی، مظاہر پرستی، ملائکہ پرستی، انبیاء پرستی، صحابہ پرستی، اولیا پرستی، قبر پرستی، شجر پرستی، جنات پرستی حتی کہ ہوا

پرستی، نفس پرستی وغیرہ سب شرک ہی کے مختلف مظاہر ہیں۔ البتہ بت پرست مشرکین پر شرک کا لفظ اصطلاحاً بولا گیا ہے اور یہود و نصاریٰ کو اصطلاحاً اہل کتاب کہا گیا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہود و نصاریٰ پر شرک کے لغوی مفہوم کا بھی اطلاق نہیں ہوتا۔ دیکھئے اصطلاحی اعتبار سے صرف امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی امت مسلمہ ہے اور اس کے افراد مسلم کہلاتے ہیں لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ امم سابقہ کے لوگوں پر لغوی معنیٰ کے اعتبار سے بھی لفظ مُسلم کا اطلاق نہ ہوگا، مثلاً حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھاو اشھد باننا مسلمون (المائدہ:۱۱۱) ''اور تو گواہ رہ کہ ہم مسلم ہیں'' البتہ اسلام اور مسلم کی اصطلاح امت محمدیہ کے ماسوا دیگر امم سابقہ کے لئے مستعمل نہیں ہوئی۔ خطبہ حجۃ الوداع میں شیطان کی جس مایوسی کا ذکر ہے اس سلسلے میں بلحاظ قرائن مخاطب صرف مہاجرین وانصار اور فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے مؤلفۃ القلوب نو مسلم قریش مکہ ہیں۔ ان حضرات کے حُسن عاقبت کی یقینی خبریں قرآن کریم نے دے دی ہیں، لہذا ان میں شرک کے سرایت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر خطاب کو عام بھی رکھا جائے تو اس کا صاف اور بے غبار مطلب یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ شیطان کے زیر اثر دنیا سے توحید یکسر نا پید ہو جائے، اور دین حق میں تحریف ہو جائے چنانچہ کتب احادیث میں مذکور اس طرح کی روایات کے متعلق حواشی میں شارحین حدیث نے وضاحت بھی کر دی ہے، مثلاً سنن ترمذی کی جلد دوم کے صفحہ ۳۹ پر شیطان کی مایوسی والے اس مضمون کی روایت موجود ہے اور حاشئے میں یہ مذکورہ بالا تشریح بھی مذکور ہے۔ الغرض شیطان کی مایوسی والی اس طرح کی روایات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان ہونے کے دعوے کے ساتھ کوئی شرک کرنا چاہے تو وہ ایسا نہیں کرسکتا۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ایسے مشرک کا اپنے کو مسلمان سمجھنا ہی غلط ہے کیونکہ اسلام اور شرک یکجا نہیں ہو سکتے، پس سچا مسلمان ہرگز مشرک نہیں ہوسکتا۔

۵۸۔ مسند امام احمدؒ بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۱۹۱/۵

۵۹۔ حافظ ابوبکر البزارعن عبداللہ بن عمرؓ بحوالہ البدایۃ ۱۹۲/۵

۶۰۔ مسند امام احمد بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۱۹۲/۵

۶۱۔ مسند البزار بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۱۹۲/۵

۶۲،۶۳۔ حدیث موالاۃ کی صحت میں اس کی اسناد کی کثرت کے باوجود بہت سے اہل علم نے کلام کیا ہے، مثلاً امام بخاریؒ، ابن ابی حاتم رازیؒ، ابن ابی داؤدؒ، ابراہیم الحربیؒ، شیخ جمال الدین زیلعیؒ، علامہ تفتازانیؒ، ابن تیمیہؒ اور مثلاً متاخرین میں سے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ کو اس روایت کے صحیح ہونے میں تامّل ہے۔ تاہم بہت سے اہل علم مثلاً امام ذھبیؒ، علامہ ابن کثیرؒ وغیرہ نے حدیث موالاۃ کی سب اسناد کو نہیں مگر بعض اسناد کو صحیح قرار دیا ہے (البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۱۰۸۔۲۰۲) جہاں تک حدیث ثقلین کا تعلق ہے تو اس کی تمام اسناد بھی مخدوش ہیں، صرف صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقم

رضی اللہ عنہ کی دو روایات بلحاظ سند معتبر ہیں (حدیث ثقلین مولانا محمد نافع۔ مکہ بکس، ۵۔ بخشی سٹریٹ بیرون موری گیٹ سرکلر روڈ لاہور، ۱۹۸۴) ۔ حدیث موالاۃ ہو یا ہو یا حدیث ثقلین دونوں سے حضرت علیؓ اور اہل بیتؓ کی زبردست فضیلت ثابت ہوتی ہے، اسی طرح غزوہ تبوک میں حضرت علیؓ کو اہل بیت نبوی پر محافظ و نگران مقرر کرنے کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تمہیں (حضرت علیؓ کو) مجھ سے وہی نسبت ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں'' اس حدیث ''منزلت ہارون'' سے بھی حضرت علیؓ کی یقیناً بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ تاہم مناقب علیؓ اور مناقب اہل بیتؓ کی اس طرح کی روایات سے کسی کی بھی خلافت کا اور وہ بھی خلافت بلافصل کا قطعاً کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی حدیث ثقلین سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بیت عظامؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ میں معاذ اللہ کوئی فکری و نظری اختلاف تھا، یا ان میں کوئی گرم یا سرد آویزش تھی۔ حدیث ثقلین میں کتاب اللہ (قرآن کریم) کو ہی حبل اللہ (اللہ کی رسی) قرار دیا گیا ہے اور اسے مضبوطی سے پکڑنے اور اس سے تمسک کرنے کی زبردست تاکید ہے اور خود قرآن کریم میں بھی ہے **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرّقوا** (آل عمران: ۱۰۳) ''اور اللہ کی رسی (قرآن کریم) کو مضبوطی سے پکڑو اور باہم تفرقہ نہ پیدا کرو'' پس اس طرح کے تمام اختلافی امور کا فیصلہ اگر کتاب اللہ ہی سے ہو جائے تو اس سے بہتر کوئی اور فیصلہ نہیں اور اس کے بعد دور از کار طویل مباحث کی بھی ضرورت باقی نہیں رہتی مثلاً سورہ نور میں ہے **و عد اللہ الّذین امنوا منکم و عملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکننّ لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنّھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لایشرکون بی شیئا و من کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون** ○ (النور: ۵۵) ''اللہ نے تم لوگوں میں سے ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ انہیں ضرور بالضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور ضرور بالضرور ان کے لئے ان کے دین کو غالب کرے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کر لیا اور ضرور بالضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں ٹھہراتے اور جو شخص اس کے بعد کفر کرے (یا ناشکری کرے) تو یہی وہ لوگ فاسق ہیں''۔ مذکورہ آیت استخلاف میں لفظ ''منکم (تم میں سے)'' صاف ظاہر کر رہا ہے کہ استخلاف کا وعدہ صحابہ کرامؓ سے ہے اور وہی اس کے مخاطب ہیں ورنہ اگر پوری امت یا بعد کے لوگوں مثلاً امام مہدیؒ وغیرہ کو ناحق مخاطب سمجھا جائے تو دیگر خرابیوں کے علاوہ آیت میں ''منکم'' کا لفظ (معاذ اللہ) غیر ضروری اور فالتو ہوگا، کہ اس کے بغیر بھی مفروضہ مفہوم پورا سمجھ میں آ سکتا تھا۔ اللہ کا کلام ہر عیب سے پاک ہے۔ پھر سورہ حج کی آیت تمکین سے بھی صاف واضح ہے کہ یہاں خلفائے راشدین ہی مراد

ہیں (دیکھئے حاشیہ نمبر ۷۸) ''فی الارض'' (زمین میں) کے کلمات سے واضح ہے کہ یہاں صرف روحانی خلافت ہی نہیں بلکہ ارضی خلافت وامارت مراد ہے۔ جس نعمت کا سب کو فائدہ پہنچے تو اس کی نسبت پوری قوم کی طرف کردی جاتی ہے، اگر چہ اس کا ظہور صرف چند افراد یا فرد واحد پر ہو مثلاً بنی اسرائیل کو انعامات یاد دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وجعلکم ملوکا و اتکم مالم یؤت احداً من العالمین (المائدہ:۲۰) ''اور اس نے تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو اس نے دنیا والوں میں سے کسی اور کو نہیں دیا'۔ دیکھئے بنی اسرائیل کا ہر ہر فرد بادشاہ نہیں بن گیا تھا لیکن بادشاہت کی نسبت سب بنی اسرائیل کی طرف کردی گئی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی حیات طیبہ میں اگر چہ اسلام کے عسکری وسیاسی غلبے اور اسلامی ریاست کے استحکام کے آثار شروع ہو گئے تھے لیکن یہ امر بھی مسلم ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع تک طاقتور رومی حکومت کا خوف تھا تب ہی تو منافقین بالخصوص اس غزوے میں شمولیت سے فرار کے لئے طرح طرح کے بہانے تراش رہے تھے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں کو یقین دلا رکھا تھا کہ مسلمانوں میں سے (معاذ اللہ) کوئی بھی واپس نہیں آئے گا، قیصر روم سب کو قید کر کے اپنے مختلف علاقوں میں انہیں منتشر کر دے گا۔ غزوہ تبوک سے مراجعت رمضان ۹ ہجری قمریہ شمسی بمطابق صفر ۱۰ ہجری قمری میں ہوئی ایک سال کے بعد ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے۔ وفود کی آمد بھی زیادہ تر غزوہ تبوک کے بعد شروع ہوئی اس کے باوجود ربیع الاول ۱۰ ہجری قمریہ شمسی بمطابق رمضان ۱۰ ہجری قمری تک جزیرہ نمائے عرب کے بعض حصوں میں مشرک موجود تھے جن کی جانب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت علیؓ کی زیر امارت دو سرایا روانہ فرمائے تھے۔ رمضان ۱۰ ہجری قمری سے صفر ۱۱ ہجری قمری تک کل چھ ماہ کی مدت بنتی ہے، ربیع الاول ۱۱ ہجری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دار فانی سے رحلت کا مہینہ ہے۔ کوئی بھی عقل مند شخص ہرگز یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ زیر بحث آیت استخلاف میں جو بشارتیں نہایت شد و مد سے دی گئی ہیں وہ صرف ایک سال یا چھ ماہ کے لئے تھیں، نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی حیات طیبہ کے آخری ایام میں جھوٹے مدعیان نبوت کا فتنہ شروع ہو گیا تھا اور آپ کی رحلت کے فوراً بعد مانعین زکوٰۃ کے فتنے کا اس میں مزید اضافہ ہو گیا۔ پھر اگر اس حقیقی صورت حال کے ساتھ یہ (جھوٹے) مفروضے بھی قائم کئے جائیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے لئے پروانۂ خلافت لکھانا چاہتے تھے لیکن (معاذ اللہ) حضرت عمرؓ نے ایسا نہ ہونے دیا۔ آپ ﷺ اپنی دنیوی زندگی کے آخری دنوں میں جیش اسامہؓ اس لئے روانہ فرمانا چاہتے تھے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کی راہ ہموار ہو جائے، لیکن شیخین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے یہ منصوبہ (معاذ اللہ) ناکام بنا دیا۔ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد اہل حق مبینہ طور پر مغلوب ومجبور ہو کر رہ گئے کہ تقیہ وکتمان کے پردے میں زندگی گزارنے لگے اور (معاذ اللہ) ظالم و

غاصب برسرِاقتدار آ گئے وغیرہ۔ تو کون شخص یہ ماننے کے لئے تیار ہوگا کہ آیت استخلاف میں کئے گئے نہایت پختہ اور تاکیدی وعدے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی زندگی ہی میں یا آپ کی رحلت کے بعد پورے ہو گئے تھے، دین مستحکم ہوگیا تھا اور خوف امن سے بدل گیا تھا، لہذا یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ آیت استخلاف کا حقیقی مصداق خلفائے راشدینؓ ہیں اور انہی کے دور میں تمام بشارتیں علیٰ وجہ الکمال پوری ہوئیں۔ چنانچہ امامیہ عالم علامہ محمد حسین طباطبائی اپنی تفسیر المیزان فی تفسیر القرآن میں آیت استخلاف کے تحت تحریر فرماتے ہیں انھا (آیة الاستخلاف) واردة فی اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم و انجز اللہ و عده لهم باستخلافهم فی الارض و تمکین دینهم و تبدیل خوفهم امنا بما اعز الاسلام بعد رحلة النبی فی ایام الخلفاء الراشدین و المراد باستخلافهم استخلاف الخلفاء الاربعة بعد النبی صلی اللہ علیه وسلم او الثلثة من قبیل لنسبة امر البعض الی الکلّ کقولهم قتل بنو فلان (المیزان فی تفسیر القرآن سورہ نور آیت استخلاف) ''یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے انکے حق میں اپنا وعدہ یوں پورا فرمایا کہ انہیں زمین کی خلافت دی، ان کے دین کو استحکام بخشا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دیا، اس لئے کہ اس نے اسلام کو عزت بخشی۔ یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خلفائے راشدینؓ کے دور میں ہوا۔ استخلاف سے مراد خلفا اربعہ کا یا خلفا ثلثہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بننا ہے۔ تمام (اصحاب) کی طرف خلافت کی نسبت (باوجود اس کے کہ اصل خلفا تو چار یا تین تھے جو آیت استخلاف کا مصداق ہوئے) اس طرح ہے جیسے بعض لوگوں کے معاملے کو کل یعنی پوری جماعت کی طرف منسوب کر دیا جائے، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں قوم نے قتل کیا (حالانکہ سب لوگ قتل نہیں کرتے)''۔ شیعہ مفسر ابوعلی طبرسی اپنی تفسیر مجمع البیان میں آیت استخلاف کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ''لیستخلفنهم و المعنیٰ لیورثنهم الرض الکفار من العرب و العجم فیجعلهم سکانها و ملوکها (تفسیر مجمع لابیان ابوعلی طبرسی تفسیر آیت استخلاف سورہ نور) ''لیستخلفنهم کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عرب وعجم کے کفار کے علاقوں کا ضرور بالضرور وارث بنائے گا، پس وہ ان علاقوں میں رہیں گے اور ان علاقوں کے بادشاہ ہونگے''۔ شیعہ مفسر علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین میں آیت استخلاف کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ''و در اندک فرصتے حق تعالیٰ بوعدۂ مومناں وفا نمودہ، جزائر عرب و دیار کسریٰ و بلاد روم بدیشان ارزانی داشت'' (تفسیر منہج الصادقین ۶/ ۳۳۵) ''اللہ تعالیٰ نے تھوڑی ہی مدت میں مومنوں سے اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ عرب کے جزائر، کسریٰ کے علاقے اور روم کے شہر انہیں عطا فرمائے''۔ ''غزوہ خندق کے موقع پر رسول اکرم ﷺ نے ایک سخت چٹانی پتھر پر تین مرتبہ ضربات لگائیں، ہتھوڑے کی ہر ضرب پر چمک ظاہر ہوئی جس میں آپ ﷺ کو بالترتیب شام، یمن، کسریٰ

وقیصر وغیرہ کے محلات اور علاقے نظر آئے اور ہر مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ علاقے اللہ نے مجھے عطا فرمادیئے، میرے ہاتھ پر مفتوح فرمادیئے'' (تفسیر المیزان علامہ محمد حسین طباطائی ۱۱/۲۹۳، تفسیر مجمع البیان ابوعلی طبرسی صفحہ ۳۴۱، تفسیر قمی ۲/ ۱۷۸، تفسیر منہج الصادقین فتح اللہ کاشانی ۷/ ۲۸۹، تفسیر صافی طبع ایران صفحہ ۳۳۶، حیات القلوب ملا باقر مجلسی ۲/ ۲۱۹ بحوالہ الدین الخالص مولانا اللہ یار خاں طبع دوم ۱۹۸۱ء کلیۃ نقشبندیہ اویسیہ، چکوال) ظاہر ہے کہ یہ سب فتوحات خلفائے راشدین ہی کے ذریعہ ممکن ہوئیں۔ آیت کے آخر میں ومن کفر سے آخر تک کا اطلاق صحابہ کرامؓ پر اسلئے نہیں ہوسکتا کہ اگر وہ (معاذ اللہ) کفر اختیار کرنے والے ہوتے تو ان سے بشارت آمیز مذکورہ زبردست وعدے علام الغیوب اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز نہ کرتا۔ نیز خلیفہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ عام اسباب ان کی خلافت کے پیدا ہوجائیں گے کہ سب اسباب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ مثلاً آسمان سے فرشتے اتر کر کسی کو منصب خلافت پر فائز کریں گے، خود بنی اسرائیل کے حکمرانوں اور خلفائے راشدین میں حضرت علیؓ کی خلافت بھی عام اسباب کے تحت قائم ہوئی۔ جب یہ اچھی طرح واضح ہو چکا کہ زیر بحث آیت استخلاف کا مصداق خلفائے راشدینؓ ہیں تو آیت میں مذکور بشارتوں کے وعدے میں یقیناً حضرت علیؓ بھی شامل ہیں کیونکہ بموجب آیت یہ وعدہ ان تمام لوگوں (صحابہ کرامؓ) سے ہے جو ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت سے مالا مال تھے۔ سیدنا حضرت علیؓ کو ایمان اور اعمال صالحہ کی نعمت سے بہرہ مند حضرات سے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) نکال باہر کرنا بذات خود بہت بڑی مجرمانہ جسارت ہے ورنہ حضرت علیؓ کے لئے خلافت کا ثبوت بھی نہ مل پائے گا۔ حضرت علیؓ کے ایام خلافت میں مسلمانوں کی باہم خانہ جنگی کے باوجود انہیں کفار کی طرف سے کوئی خوف ہرگز لاحق نہیں تھا۔ پس سیدنا حضرت علیؓ سے بھی خلافت کا وعدہ یقیناً ہوا۔ اب یہ وعدہ یا تو مطلق خلافت کا تھا یا خلافت بلافصل کا تھا۔ اگر پہلی شق تسلیم کی جائے تو یہی حق ہے اگر خلافت بلافصل کا وعدہ تھا تو مزید یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ پورا کرنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی (معاذ اللہ) نفی کی جائے تو بالاتفاق یہ کلمۂ کفر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ وعدہ پورا کرنے پر قادر ہے اور یہ فرض کرلیا جائے کہ واقعی حضرت علیؓ سے اللہ تعالیٰ نے مطلق خلافت کا نہیں بلکہ خلافت بلافصل کا وعدہ فرمایا تھا تو کیا اللہ تعالیٰ نے مذکورہ وعدہ پورا کیا یا (معاذ اللہ) عہد شکنی کی؟ اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے (معاذ اللہ) عہد شکنی کی تحریر بھی بالاتفاق کلمۂ کفر ہے اگر کہا جائے کہ وعدہ پورا ہوا تو یہ نفس الامر کے خلاف ہے، حضرت علیؓ سے پہلے تین خلفا ہوئے۔ ان کی خلافت صحیح تھی یا غلط، لیکن مفروضہ صورت میں ہرگز یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے خلافت بلافصل کے (مفروضہ) وعدے کو پورا کیا، پس روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ! ایسا مفروضہ ہی غلط ہے جب مفروضے کا غلط ہونا یقیناً ثابت ہوگیا تو اس کے حق میں لائے جانے والے تمام دلائل کا غلط اور کالعدم ہونا بھی ثابت ہوگیا، پس حدیث

منزلت ہارونؑ، حدیث موالاۃ، حدیث ثقلین وغیرہ سے کسی کی بھی خلافت کا اور وہ بھی بلافصل کا سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ الغرض آیت استخلاف میں مطلق خلافت کا وعدہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے بھی خلافت بلا فصل کا وعدہ فرمایا ہوتا تو یقیناً (مکرر عرض ہے کہ یقیناً) پورا ہوتا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایسی صورت میں ہرگز پہلے خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے۔ مطلق خلافت میں خلافت بلافصل اور بالفصل دونوں شامل ہیں تو علم الٰہی میں خلافت بلافصل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے تھی، جس کا اپنے وقت پر خارج میں ظہور ہوا تو سب کو معلوم ہو گیا کہ آیت استخلاف میں کئے گئے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے علم میں خلفا کی جو ترتیب تھی اس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے نمبر پر تھے۔ دور از کار تاویلات سے شبہات کی گنجائش تو تب ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے لئے خلافت بلافصل یا بالفصل کا محض استحقاق بتایا ہوتا یا لوگوں کو کوئی حکم دیا ہوتا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فلاں کو خلیفہ بناؤ تو کہا جا سکتا تھا کہ لوگوں نے فلاں کے استحقاق کو مدنظر نہیں رکھا یا فلاں کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر عمل نہیں کیا۔ یہاں تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر کے سب کچھ اپنے ذمہ لے لیا۔ علم الٰہی میں اس وعدے کے خارج میں عالم اسباب کے تحت ظہور کی جو بھی صورت تھی وہ اپنے وقت پر خارج میں ظہور پذیر ہو گئی، لہٰذا یہ تمام مباحث کالعدم ٹھہرے کہ فلاں کو یوں ہونا چاہئے تھا، لوگوں کو فلاں کے متعلق یوں کرنا چاہئے تھا یوں نہیں کرنا چاہئے تھا، فلاں کا فلاں حق تھا یا حق نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے اور اس وعدے کے پورا ہونے کے بالمقابل اس طرح کے مفروضات کا جواز ہی کب باقی رہا؟ قد برسورہ نساء میں ہے **ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبیّن له الهدیٰ و یتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولّٰی و نصله جهنم و ساءت مصیرا** (النساء:۱۱۵) ''اور جو شخص بھی رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ ہدایت اس پر خوب واضح ہو چکی (وہ خود غور نہ کرے یا حقیقت تسلیم نہ کرے تو اس کا اپنا قصور ہے) اور مومنین کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستے کی پیروی کرے تو ہم اس کا رخ ادھر ہی کر دیں گے جس طرف وہ خود ہو چلا ہے، اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے'' دیکھئے یہاں بظاہر یہی کہنا کافی تھا کہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد جو رسول کی مخالفت کرے تو وہ جہنم میں جائے گا۔ درمیان میں یہ کہنا ''اور مومنین کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے کی پیروی کرے'' بڑا ہی معنیٰ خیز ہے۔ اگر صرف اور صرف اہل بیتؓ ہی کی اتباع مقصود ہوتی تو آیت میں غیر سبیل المؤمنین کی بجائے ''غیر سبیل اهل البیت یا غیر سبیل عترته یا غیر سبیل اله وغیرہ وغیرہ'' جیسے کلمات لائے جاتے کیونکہ عقائد میں ابہام پیدا کرنا عیب ہے اور اللہ کا کلام ہر عیب سے پاک ہے چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے بعد کے مسلمانوں کا اجماع بھی دین میں حجت ہے اس لئے آیت میں ''غیر سبیل اصحابہ'' جیسے کلمات نہیں لائے گئے، ورنہ تو یہ سب کو معلوم ہی ہے کہ نزول آیت

کے موقع پر اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کی پشت پر مومنین صرف اور صرف اصحاب رسولؐ ہی تھے ۔ احادیث میں بھی فرقہ ناجیہ (نجات یافتہ گروہ) کی علامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں واضح فرمادی ہے ''ما انا علیہ و اصحابی (ترمذی بحوالہ جمع الفوائد ۱/۳۰، حدیث نمبر ۱۵۵) (نجات یافتہ لوگوں کا راستہ وہی ہے) جس پر میں اور میرے اصحاب (گامزن) ہیں''۔ اس طرح کی احادیث کا مضمون کتاب اللہ سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے، لہٰذا ایسی احادیث کی اسناد پر بھی مغز کھپائی کی ضرورت نہیں گو یہاں بھی محدثین کرام نے اپنا فریضہ پورا کیا ہے۔ پس جن احادیث میں اہل بیت رسول ﷺ یا عترت رسول ﷺ کا ذکر ہے وہ ہرگز کتاب اللہ کے معارض و مخالف نہیں ہوسکتیں، بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اہل بیت رسول ﷺ اور عترتِ رسول کا راستہ بھی بعینہٖ وہی راستہ ہے جو دیگر صحابہ کرام کا ہے ان کا باہم کوئی دینی اختلاف ہرگز نہ تھا اور نہ ہی ان کی اذانیں، نمازیں اور مساجد وغیرہ ایک دوسرے سے الگ تھلگ تھیں، ان کی اختلافات محض اور محض انتظامی نوعیت کے تھے اور مصالحت کے بعد وہ بھی ختم ہوگئے، بعد کے جھگڑے بعد کے لوگوں کے پیدا کردہ ہیں۔ اگر صحابہ کرامؓ میں بالفرض کچھ غلط فہمیاں باقی رہ بھی گئی ہوں یا تھوڑی بہت رنجش رہ گئی ہوں تو قرآن کریم میں دو مرتبہ یہ مضمون مذکور ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت ایسے نیک لوگوں کی باہم رنجش دور فرمادے گا اور وہ (ہر طرح کی رنجش سے بالکل پاک وصاف ہوکر دینی اخوت کے تقاضوں کے عین مطابق) بھائی بھائی بن کر تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے منہ کئے بیٹھے ہونگے (الحجر: ۴۷، الاعراف: ۴۳)۔ پس اہل بیتؓ کا دیگر اصحاب سے رشتہ منقطع کرنا خواہ محبت کے پردے میں ہو جیسے روافض نے کیا، خواہ نفرت کے پردے میں ہو جیسے خوارج اور نواصب نے کیا، بہرحال صراط مستقیم سے انحراف ہے۔

۶۴۔ صحیح بخاری ۲/۶۴۱ باب بعث النبیؐ اسامۃ۔ مناقب صحابہؓ اور مناقب اہل بیتؓ کے بارے میں یہ چیز ذہن میں رکھنی چاہئے کہ بسا اوقات یہ فضائل و مناقب کسی خاص موقع کے اعتبار سے یا کسی خاص حیثیت کے لحاظ سے کلی فضیلت کو نہیں بلکہ جزوی فضیلت کو ظاہر کرتے ہیں یا اس فضیلت کو ظاہر کرتے ہیں جو بطور خاص کسی میں علیٰ وجہ الکمال پائی جائے، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ فضیلت دوسرے حضرات کو حاصل ہی نہیں۔ یہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہؓ کے متعلق جو فرمایا ہے کہ وہ میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلفائے راشدین، سیدہ فاطمہ، حضرات حسنینؓ رضی اللہ عنھم اجمعین وغیرہ سے (معاذ اللہ) کم محبت تھی یا یہ کہ حضرت اسامہؓ کا درجہ مثلاً حضرت علیؓ سے بھی بڑھ کر ہے۔ حضرت اسامہؓ کی یہ فضیلت ان کی اس خاص حیثیت کے لحاظ سے ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّٰی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آپؐ

نے سریہ موتہ میں اسلامی فوج کا اولیں سپہ سالار مقرر فرمایا تھا وہ سریہ موتہ میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت زیدؓ اور دیگر شہداء کا انتقام لینے اور رومیوں کو مرعوب ومغلوب کرنے کے لئے سریہ اسامہ بن زیدؓ میں حضرت اسامہ کو اسی لئے سپہ سالار مقرر کیا گیا تھا کہ وہ سریہ موتہ کے اولیں سپہ سالار حضرت زید شہید کے صاحبزادے تھے۔ چونکہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّٰی اور پروردہ تھے اور اسامہؓ انہی کے صاحبزادے تھے اس حیثیت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لئے محبوب ترین قرار دیا۔

۶۶۔ صحیح مسلم ۲/۲۵۰۔ حدیث میں دنیا طلبی میں جس مسابقت کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدشہ ظاہر فرمایا ہے، اس کے اصل مخاطب صحابہ کرام نہیں ہیں بلکہ پوری امت محمدیہ علٰی صاحبھا الصلوٰۃ و السلام مراد ہے۔ صحابہ کرامؓ کے مشاجرات ہرگز دنیا طلبی کے لئے نہیں تھے ورنہ اللہ تعالٰی ان کے متعلق یہ نہ فرماتا **یوم لایخزی اللہ النبی و الذین آمنوا معہ** (التحریم:۸) ''جس دن اللہ نبی کو اور اس کے ساتھ جو ایمان لائے ہیں، انہیں رسوا نہیں کرے گا''۔ صحابہ کرام کی مدح وتوصیف میں تو پورا قرآن بھرا پڑا ہے اور یہ مضامین مختلف انداز میں مذکور ہیں کہ مہاجرین وانصار اور فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے مولفۃ القلوب سب کے سب مغفور ومرحوم ہیں۔ امام نوویؒ شارح مسلم نے زیر نظر حدیث میں پوری امت مراد لیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے **و انّھا تتنافس فی الدنیا و قد وقع کل ذالک** (صحیح مسلم حاشیہ للنووی ۲/۲۵۰) ''اور بے شک وہ (امت) دنیا طلبی میں مسابقت کرے گی اور بے شک (حدیث میں مذکور یہ اور دوسری) سب باتیں اسی طرح وقوع پذیر ہوئیں'' (جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا)۔ بعض اوقات صیغہ خطاب سے مخاطب کو سنانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ مخاطب کے ذریعہ دوسروں کو سنانا مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے **فان کنت فی شک ممّا انزلنا الیک فاسئل الذین یقرؤن الکتاب من قبلک لقد جاءک الحق من ربک فلا تکوننّ من الممترین** (یونس:۹۴) ''تو اگر تجھے اس (کتاب اور وحی) کے بارے میں شک ہے جو ہم نے تیری طرف اتارا ہے سو تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں (یعنی سابق اہل کتاب سے پوچھ لے) بلاشبہ تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس حق آپہنچا ہے اس لئے تو ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو''۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) واقعی کتاب اللہ اور وحی کے متعلق کوئی شک ہو چلا تھا جسے آپ اہل کتاب سے رفع کرانا چاہتے ہوں۔

۶۷۔ صحیح مسلم ۲/۲۵۰۔ ظنیات کو ہمیشہ یقینیات کے تابع رکھا جاتا ہے۔ احادیث کا بڑا ذخیرہ اخبار آحاد کی بنا پر ظنی ہے اور یقینیات کا اولین ماخذ قرآن کریم ہے۔ سورہ انعام مکی سورت ہے اس میں اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے **قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ و لا اعلم الغیب و لا اقول لکم انی**

ملک ان اتبع الاّ ما یوحیٰ الیّ قل ھل یستوی الاعمیٰ و البصیر افلا تتفکرون (الانعام:۵۰) ''تو کہہ دے میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب (کلی) جانتا ہوں اور نہ ہی میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعے بھیجا جاتا ہے تو کہہ کیا (ہدایت یافتہ) بینا اور (گمراہ) نابینا برابر ہو سکتے ہیں؟ تو کیا تم سوچتے نہیں؟'' یہاں ذاتی اور عطائی کی بحث میں الجھنا محض فریب نفس ہے۔ غزوۂ تبوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمر میں آخری غزوہ ہے۔ آپ ﷺ کے پاس جہاد میں شرکت کے حریص بعض صحابہ کرامؓ سواری کے جانور طلب کرنے کے لئے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس ایسے جانور نہیں ہیں جن پر میں تمہیں سوار کراؤں۔ اگر آپؐ مختار کل ہوتے تو ضرور بالضرور ان کا مطالبہ پورا فرماتے اور یہ نہ فرماتے کہ میرے پاس سواری کے جانور نہیں ہیں، کیونکہ یہ وہ حضرات تھے جنہیں سواری کے جانور نہ ملنے پر شدید صدمہ ہوا اور وہ اسی غم میں روتے ہوئے واپس ہوئے کہ کاش آج ہمارے پاس بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کو کچھ ہوتا۔ سورہ توبہ کی آیت کا متعلقہ حصہ یوں ہے قلت لااجد ما احملکم علیہ تولوا واعینھم تفیض من الدمع حزنا الّا یجدوا ماینفقون (التوبۃ:۹۲)۔ اہل علم خبر واحد کو ہمیشہ کتاب اللہ کے تابع رکھتے ہیں چنانچہ شارح مسلم امام نوویؒ نے زیر نظر روایت کے کلمات و انّی قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض کے متعلق تحریر فرمایا ہے ''وفی ھذا الحدیث معجزات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانّ معناہ الاخبار بانّ امّتہ تملک خزائن الارض و قد وقع ذالک (مسلم شرح نوویؒ ۲/۲۵۰)'' اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں کیونکہ اس (حدیث) کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے (معجزانہ طور پر پیشین گوئیاں فرمائیں جن میں آپ نے) یہ خبر (بھی) دی ہے کہ آپ کی امت زمین کے خزانوں کی مالک ہو جائے گی اور بے شک ایسا ہی ہوا (کہ عرب و عجم کے علاقے اور ان کے اموال خلفائے راشدینؓ کے دور میں خصوصاً اور بعد کے ادوار میں عموماً مسلمانوں کے ہاتھ لگے)۔ اسی معنیٰ کی تائید بعض دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ کی روایت کے متعلقہ حصے کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت ابومُوَیہبہؓ سے فرمایا تھا کہ مجھے دنیا کے خزانوں اور ان میں ہمیشہ رہنے، اور پھر جنت (دونوں کا) اختیار دیا گیا (کہ جو چاہو پسند کرلو) تو میں نے اپنے رب سے ملاقات اور جنت کو پسند کرلیا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت کو میرے بعد جو فتوحات حاصل ہوں گی مجھے ان کا اور جنت کا اختیار دیا گیا (کہ جو چاہو قبول کرلو) تو میں نے جنت اور اپنے رب سے ملاقات کو چن لیا (البدایۃ والنہایۃ ۵/۲۱۳)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا تھا کہ مجھے یہ خدشہ نہیں کہ تم شرک کرو گے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص مرتد ہو کر کفر و شرک

اختیار کرے تو ایسا ہو ہی نہیں سکتا یا کوئی اسلام کا دعویٰ کرتا ہوا شرک کر کے اپنے دعویٰ کو عملی طور پر جھٹلانا چاہے تو وہ مشرک ہو ہی نہیں سکتا بلکہ بقول امام نوویؒ اس کا مطلب یہ ہے و انها (ای امته) لاترتد جملة و قد عصمها الله تعالیٰ من ذالک (مسلم شرح نووی ۲/۲۵۰) ''اور بے شک وہ (یعنی امت محمدیہ ﷺ) ساری کی ساری (کبھی) مرتد نہیں ہوگی اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے محفوظ رکھا ہے''۔ نیز اس کے لئے ہمارے مذکورہ بالا حواشی میں سے حاشیہ نمبر ۵۷ ملاحظہ فرمایئے

۶۸۔ طبقات ابن سعد ۲/۲۰۶

۶۹۔ صحیح بخاری ۱/۲۲، ۴۲۹، ۴۴۹، ۲/۶۳۸۔ یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرامؓ کے لئے کچھ لکھانا آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا تو واجب ہوگا، یا مستحب یا مُباح ہوگا۔ اگر اسے واجب یا مستحب قرار دیا جائے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ترک واجب اور ترک مستحب کا الزام عائد ہوگا، کیونکہ آپ ﷺ نے اس کے بعد بھی آخر دم تک کچھ نہیں لکھوایا۔ یہاں یہ کہنا بھی لغو ہوگا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لکھانا تو چاہتے تھے مگر بے بس ہو گئے تھے، اگر اللہ کا صاحب شریعت نبی یعنی رسول بھی دین کو لوگوں تک پہنچانے میں (معاذ اللہ) بے بس اور لاچار ہو جائے تو اس کی بعثت ہی (معاذ اللہ) بیکار ہوئی۔ قرآن کریم میں بھی ہے کتب الله لاغلبنّ انا و رسلی (المجادلہ:۲۱) ''اللہ نے یہ بات لکھ دی یعنی طے کر دی ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور بالضرور غالب رہیں گے'' اس طرح کی باتیں بھی بے معنیٰ ہیں کہ جب لوگوں نے ماننا ہی نہیں تھا تو لکھانے کا کیا فائدہ تھا؟ اگر اس طرز استدلال کو تسلیم کر لیا جائے تو مثلاً جب ابو جہل اور ابولہب وغیرہ معاندین کفار نے اسلام قبول کرنا ہی نہیں تھا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کیوں دعوتِ اسلام دیتے رہے؟ مشرکین مکہ آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) مجنون اور شاعر کہتے رہے، اس کے باوجود انہیں دعوتِ حق مسلسل دی جاتی رہی۔ کوئی مانے یا نہ مانے، عمل کرے یا نہ کرے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر کے ذریعے لوگوں پر حجت بہر حال پوری کر دی جاتی ہے، لہٰذا اس طرح کے تمام شبہات باطل ہیں۔ تو جب لکھانا امر وجوبی یا استحبابی نہیں تھا تو لامحالہ یہ ماننا ہوگا کہ یہ لکھانا آپ ﷺ کے لئے محض مُباح تھا۔ مُباح پر عمل کرنے اور نہ کرنے دونوں کا اختیار ہوتا ہے لہٰذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ جس بات کا لکھانا آپ ﷺ کے لئے واجب و مستحب نہ تھا بلکہ صرف مباح تھا تو صحابہ کرامؓ کے لئے اسے لکھنے کا حکم بھی یقیناً امر اباحت تھا، امر وجوبی یا امر استحبابی نہ تھا ورنہ اگر یہ امر وجوبی تھا تو ترک واجب کا الزام صرف حضرت عمرؓ وغیرہ پر ہی نہیں آئے گا بلکہ حضرت عباسؓ، حضرت عقیلؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت مقداد بن اسودؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت علیؓ بن ابی طالب، ازواج مطہراتؓ، سیدہ فاطمہؓ وغیرہ سب پر عائد ہوگا۔ بالفرض اس موقع پر حضرت علیؓ وغیرہ موجود نہ بھی ہوں تو بعد میں لکھوانا ضروری تھا،

لہذا یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ یہ حکم زیادہ سے زیادہ امر استحبابی یا پھر امر اباحت ہی ہوسکتا ہے۔ اگر کسی مستحب اور مباح پر عمل کرنے سے کسی فرض یا واجب میں خلل پیدا ہوتا ہو تو مستحب یا مباح کی حیثیت بدل جائے گی اور ایسا کام ناجائز ہوگا۔ بمطابق روایاتِ متعلقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید درد لاحق تھا اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ نے لکھوانا تھا وہ محض مباح تھا۔ فرض، واجب یا مستحب نہ تھا۔ ادھر یہ امر بھی مسلّم ہے کہ پیغمبر کی راحت و آرام کا خیال رکھنا اور اسے تکلیف نہ پہنچانا سب فرائض سے بڑھ کر فرض ہے اس لئے حضرت عمر فاروقؓ نے لکھوانا مناسب نہ سمجھا، کیونکہ خطبات حجۃ الوداع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی لوگوں سے یہ فرما چکے تھے کہ میں تمہیں ایک ایسی چیز سے باخبر کر رہا ہوں کہ اگر تم اس سے چمٹے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے اور وہ چیز کتاب اللہ ہے۔ یہاں اکثر و بیشتر روایات میں صرف کتاب اللہ ہی کا ذکر ہے، اگر ایک آدھ کسی روایت میں اس موقع پر سنت اور عترت و اہل بیت کا بھی ذکر ہو تو بھی کلام میں کوئی تعارض نہیں۔ حضرت عمرؓ خداداد ذہانت و فراست کی بنا پر فوراً سمجھ گئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی پرانی بات کی یعنی کتاب اللہ سے تمسک کی تحریری تاکید و تذکیر مقصود ہے اور جو کچھ بھی لکھانا ہو وہ کتاب اللہ کے خلاف ہرگز نہیں ہوسکتا، لہذا انہوں نے حسبنا کتاب اللہ (ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے) کہتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھانے کی زحمت سے بچانا چاہا کیونکہ آپ کو شدید درد لاحق تھا۔ جیسے حسبنا اللہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رسول کی ضرورت نہیں اسی طرح حسبنا کتاب اللہ کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حدیث رسول کی ضرورت نہیں کیونکہ حدیث کتاب اللہ ہی کی تو ترجمان ہے۔ سنت رسول ﷺ اور حدیث رسول ﷺ سے کتاب اللہ کی وضاحت پہلے ہی ہو چکی تھی ورنہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم بنعمتی سے دین کے کامل ہونے اور نعمت کے پورا ہونے کا دعویٰ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) صحیح نہ ہوگا۔ اب جو کچھ بھی لکھانا تھا پہلے ہی سے سکھائی ہوئی اور بتائی گئی بعض باتوں کا بطور تاکید و یاددہانی محض اعادہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے بجا طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ ﷺ کے شدید مرض اور سخت درد کے پیش نظر لکھانے کی تکلیف دینا شرعاً ناجائز سمجھا۔ اگر از خود یہ سمجھ لیا جائے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ یا کسی کے لئے بھی پروانۂ خلافت لکھانا چاہتے تھے تو غور کیا جائے کہ ان امور کا فیصلہ بھی تو قرآن کریم نے پہلے ہی کر دیا تھا۔ مثلاً سورہ نور کی آیت استخلاف ہی کو لیجئے جس پر بقدر ضرورت بحث قبل ازیں حاشیہ نمبر ۶۲، ۶۳ میں کی جا چکی ہے، اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے موعودہ خلافت کے وعدے میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بھی یقیناً شامل ہیں اگر ان میں سے کسی سے بھی خلافت بلافصل کا وعدہ ہوا ہوتا تو لازماً پورا ہوتا حضرت ابوبکر صدیقؓ ہرگز ہرگز پہلے خلیفہ نہیں بن سکتے تھے، لہذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لکھاتے یا نہ لکھاتے اللہ تعالیٰ کے وعدے میں ہرگز کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی تھی،

زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ خلافت راشدہ کے متعلق پہلے ہی سے دی گئی قرآنی بشارت کا تحریر میں اعادہ ہو جاتا، لہذا تحریر کے ہونے یا نہ ہونے سے خلافت راشدہ کے سلسلے میں کسی کا کوئی استحقاق خود قرآن کریم کی رو سے ہرگز مجروح نہیں ہوا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت استخلاف میں بات کسی کے استحقاق ہی کی نہیں کی بلکہ حق اس کے حقداروں کو پہنچانے کا نہایت تاکیدی کلمات میں پختہ وعدہ بھی کرلیا اور اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ چنانچہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے پروانۂ خلافت لکھانے کا ارادہ فرمایا تو یہ کہتے ہوئے ارادہ ترک کر دیا کہ اللہ اور مومنین سوائے ابوبکرؓ کے اس منصب کے لئے باقی سب کا انکار کرتے ہیں وجہ صاف ظاہر ہے کہ آیت استخلاف میں خلافت کا جو وعدہ ہو چکا تھا اور علم الٰہی میں اس کے ظہور کی جو صورت بھی متعین تھی اس میں کسی تحریر کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی تھی۔ بعد میں سب نے حضرت عمر فاروقؓ کی اصابت رائے کو تسلیم کیا ورنہ اس واقعۂ قرطاس کو بہت سے صحابہ کرام خصوصاً حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ وغیرہ ضرور روایت کرتے۔ اس کے راوی صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت تقریباً صرف بارہ سال کی عمر کے تھے۔ بچہ بسا اوقات بعض واقعات سے جذباتی تاثر لیا کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بشمول حضرت علیؓ نے اس واقعے کو قطعاً کوئی اہمیت ہی نہیں دی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی واقعۂ قرطاس کا اگلے دو طبقات میں کوئی چرچا نہیں ہوا کہ بعد میں اس سے خواہ مخواہ تفریق بین المومنین کی راہ تلاش کی جائے، بلکہ غور کیا جائے تو ہر عدم تعمیل ہمیشہ مذموم نہیں ہوا کرتی بلکہ عدم تعمیل بعض صورتوں میں واجب، بعض میں بہتر اور بعض میں جائز ہوا کرتی ہے۔ کسی موقع پر عدم تعمیل سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا غلط ہے کہ تعمیل نہ کرنے والا لازماً حاکم مجاز کی حاکمیت کو سرے سے حجت (اتھارٹی) نہیں گردانتا۔ کسی حکم کی تعمیل نہ کرنے کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں:۔

(الف) تعمیل نہ کرنے کی وجہ کبھی یہ ہوتی ہے کہ حکم کے کلمات والفاظ بذاتِ خود مقصود نہیں ہوتے بلکہ نظر اس مصلحت اور فائدے پر ہوتی ہے جو اس حکم کا منشا ہوتا ہے۔ اگر یہ مصلحت اور فائدہ حکم کی تعمیل کے بغیر پہلے ہی حاصل ہو جائے تو تعمیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ مثلاً غزوہ بنی نضیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے باوجود بعض صحابہ کرامؓ نے یہودیوں کے باغات میں کھجور کے درخت نہیں کاٹے کیونکہ دوسرے جن حضرات نے کچھ درخت کاٹے تھے اس سے یہودیوں کو مرعوب ومغلوب کرنے کا مقصد حاصل ہو چکا تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا اصل منشا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ حشر میں درخت کاٹنے والوں اور نہ کاٹنے والوں دونوں کے فعل کی تصویب فرمائی (الحشر: ۵) اور درخت نہ کاٹنے والوں کو مجرم قرار نہیں دیا۔

(ب) کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ تعمیل کا ذمہ دار تعمیل کو خلاف ادب سمجھتا ہے، مثلاً صلح حدیبیہ کے موقع

پر قریش مکہ نے صلح نامے میں ''رسول اللہ'' کے کلمات پر اعتراض کیا تو صلحنامہ لکھنے والے صحابی رسول حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے باوجود لفظ ''رسول اللہ'' کاٹنے سے معذرت کی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امی ہونے کے باوجود خود کاٹ دیا کہ حقیقت تحریر کی محتاج نہیں ہوا کرتی۔ واقعۂ قرطاس میں حضرت عمرؓ کی عدم تعمیل اور صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علیؓ کی مذکورہ عدم تعمیل دونوں کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان حضرات نے تعمیل کو خلاف ادب سمجھا۔

(ج) کبھی عدم تعمیل کا سبب یہ ہوتا ہے کہ تعمیل کے ذمہ دار کو یہ خدشہ لاحق ہوتا ہے کہ تعمیل بظاہر اس کے بس میں نہیں اور اگر تعمیل پر رضامندی ظاہر کر دی تو ایسا نہ ہو کہ تعمیل نہ ہو سکے اور شرمندہ ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہونا پڑے مثلاً سورہ احزاب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے (تعمیل سے) انکار کر دیا کہ بار امانت نہیں اٹھایا اور وہ ڈر گئے (الاحزاب: ۷۲) یا مثلاً غزوہ احزاب میں ایک نہایت تاریک اور سرد طوفانی رات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ کوئی جا کر ابوسفیان اور اس کے لشکر کی خبر معلوم کر کے مجھے بتائے لیکن بشمول حضرت علیؓ کوئی بھی تعمیل کے لئے نہ اُٹھا تو آپ ﷺ نے حضرت حذیفہؓ بن الیمان کو نامزد فرما کر اس کام پر بھیجا۔

(د) کبھی عدم تعمیل کا سبب یہ ہوتا ہے کہ تعمیل کا ذمہ دار حکم کو بھاری اور مشکل سمجھتے ہوئے حاکم سے رعایت کا طالب ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت خولہؓ کے خاوند نے ان سے ظہار کیا۔ چونکہ ظہار کے شرعی احکام ابھی تک نازل نہیں ہوئے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پرانے دستور کے مطابق خاوند سے علیحدہ ہو جانے کا حکم دیا تو وہ اپنی مصیبت پر پریشان ہو کر آپ سے بحث و مباحثہ اور مجادلہ کرنے لگیں اور اللہ سے اپنی تکلیف کی شکایت کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے سورہ مجادلہ میں ظہار کے احکام نازل فرمائے لیکن حضرت خولہؓ کو کوئی ملامت نہیں فرمائی، یا مثلاً رسول اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ کی تکمیل پر صحابہ کرامؓ کو احرام کھول دینے اور قربانی کے جانور ذبح کرنے کا حکم دیا تو بشمول حضرت علیؓ و دیگر خلفائے راشدینؓ صحابہ کرامؓ میں سے پہلے پہل کوئی بھی تعمیل کے لئے نہ اٹھا، کیونکہ صلح نامے کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے مفاد میں نظر نہیں آتی تھیں، پھر جب ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے صائب مشورے پر عمل فرماتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قربانی کے جانور ذبح کرنے کے لئے خود اٹھے تو دوسروں نے بھی آپ ﷺ کی پیروی میں ایسا ہی کیا۔

(ہ) کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ صیغہ امر سے دیا جانے والا حکم امر وجوبی نہیں ہوتا کہ اس کی تعمیل ضروری ہو بلکہ امر استحبابی یا امر اباحت ہوتا ہے مثلاً قرآن کریم میں ہے **واذا حللتم فاصطادوا** (المائدہ: ۲) ''اور جب (احرام کھول کر) حلال ہو جاؤ تو شکار کر لیا کرو'' یہ امر اباحت ہے۔ احرام کھولنے کے بعد شکار کھیلنا فرض یا واجب نہیں۔ یا مثلاً سور بقرہ میں ہے کہ خرید و فروخت اور ادھار کے معاملات لکھ لیا کرو (البقرہ: ۲۸۲) لیکن یہ لکھنا مستحب اور بہتر ہے، فرض یا واجب نہیں۔

(و) کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ صیغہ امر سے دیئے جانے والے حکم کی حیثیت محض مشورے کی ہوتی ہے جسے مخاطب قبول کرنے یا نہ کرنے کا مجاز ہوتا ہے، مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا **امسک علیک زوجک واتق اللہ** (الاحزاب: ۳۷) ''اپنے اوپر اپنی بیوی کو روکے رکھو اور اللہ سے ڈر'' لیکن بعد میں حضرت زیدؓ نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی اور اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا لیکن حضرت زیدؓ کو گناہ گار نہیں ٹھہرایا گیا۔

(ز) کبھی عدم تعمیل کا سبب یہ ہوتا ہے کہ صیغہ امر سے دیا جانے والا حکم امر اباحت یا امر استحبابی ہوتا ہے مگر چونکہ اس حکم کی تعمیل کسی اور فرض یا واجب کام میں خلل انداز ہو رہی ہوتی ہے، لہٰذا ایسے حکم کا شرعی حکم بدل جاتا ہے اور اسکی تعمیل شرعاً ناجائز ہو جاتی ہے، مثلاً اولاد پر والدین کا احترام اور انہیں ایذا نہ پہنچانا فرض ہے۔ والدین اولاد کو از راہ شفقت کسی ایسے کام کا حکم دیں جس کی تعمیل میں یقین یا ظن غالب ہو کہ اس سے والدین کو تکلیف ہوگی تو اولاد کے لئے ایسے حکم کی تعمیل شرعاً حرام ہوگی، مثلاً بوڑھا اور مریض باپ پدری شفقت سے مجبور ہو کر اپنے بیٹے کے سر پر رکھے ہوئے یا ہاتھ میں پکڑے ہوئے کسی وزنی سامان کو دیکھ کر بیٹے کو حکم دے کہ یہ سامان مجھے پکڑا دو یا میرے سر پر رکھ دو تو بیٹے کے لئے ایسے حکم کی تعمیل ہرگز درست نہیں۔ واقعۂ قرطاس کے معاملے میں بھی بعینہٖ یہی صورت درپیش تھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشفق اور مہربان کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں ہے **عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم** (التوبۃ: ۱۲۸) ''جو تکلیف تمہیں پہنچے تو وہ اس (رسول) پر گراں گزرتی ہے وہ تمہارے (مفادات) پر بہت حریص ہے مومنین پر تو وہ نہایت مشفق اور مہربان ہے''۔ آپ ﷺ نے امت پر بے پناہ شفقت سے مجبور ہو کر کچھ لکھانے کا ارادہ فرمایا اور یہ لکھانا آپ ﷺ پر فرض اور واجب بلکہ مستحب بھی نہ تھا محض مباح تھا اور دین پہلے ہی کامل اور نعمت پہلے ہی پوری ہو چکی تھی، لہٰذا یہ تحریر محض تاکید و تذکیر کے طور پر پہلے ہی بتائی گئی کسی بات کے اعادے و تکرار کے سوا کچھ نہ تھی، بلحاظ عمر آپ ﷺ بڑھاپے کی منزل میں تھے اور ساتھ ہی شدید بیمار تھے اور بیماری کے ضعف و نقاہت کے علاوہ آپ کو شدید درد بھی لاحق تھا۔ تو اس طرح کے حالات میں اگر بوڑھے اور مریض باپ کے کسی ایسے حکم کی تعمیل شرعاً ناجائز ہے تو عمر رسیدہ، مریض اور درد و تکلیف سے دوچار پیغمبر خدا ﷺ فداہ ابی و امی کے اس طرح کے حکم کی تعمیل نہ کرنا تو بدرجہا زیادہ مطلوب و مقصود ہے۔ اصحاب میں سے جن حضرات کا ذہن ادھر منتقل نہ ہوا ان کی خطائے اجتہادی معاف ہے البتہ اختلاف رائے میں جب غیر شعوری طور پر شور ہونے لگا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ اصلاح و تزکیہ سب کو وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا۔ چونکہ مقصود اصلاح تھی اور توہین کسی کی مطلوب نہ تھی اسلئے اٹھنے کا سب کو حکم دیا تاکہ جن سے اجتہادی خطا کا صدور ہوا ہے بعد

میں لوگوں پر ان سب کی نام بنام تعیین نہ ہو سکے اور وہ پوشیدہ رہیں۔ دیکھئے غزوہ تبوک کے شدید اور سنگین خطرات میں بعض صحابہ کرامؓ بھی شروع شروع میں جہاد کے لئے تیاری میں تساہل سے کام لے رہے تھے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سیدنا حضرت علیؓ جیسے حضرات بھی ان لوگوں میں شامل تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے لئے عتاب فرمایا تو خطاب کو عام رکھا اور یوں فرمایا کہ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو جاتا ہے کہ جب تمہیں اللہ کی راہ میں نکلنے کو کہا جاتا ہے تو تم زمین میں گڑے جاتے ہو۔ (التوبۃ: ۳۸)

(ح) کبھی صیغہ امر سے دیئے جانے والے حکم کی تعمیل اس لئے بھی ناجائز اور حرام ہوتی ہے کہ حکم دینے والا دراصل تعمیل نہیں چاہتا بلکہ اپنے غصے اور ناراضگی کا یا وعید اور تنبیہ کا اظہار کر رہا ہوتا ہے، مثلاً ایک موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت غضب میں منبر پر بیٹھ کر فرمایا کہ جو کچھ بھی تم مجھ سے پوچھو گے میں بتاؤں گا۔ جو لوگ سمجھ نہ سکے انہوں نے سوالات پوچھنا شروع کر دیئے اس موقع پر بھی حضرت عمر فاروقؓ ہی تو تھے جو بات کی تہ تک پہنچ گئے۔ انہوں نے لوگوں کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہایت عاجزی سے معذرت کی تو آپ ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہوا (تفسیر ابن کثیر ۲/ ۱۰۵ تفسیر سورہ المائدہ، آیت یا ایھا الذین امنو ا لاتسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم الآیۃ) یا مثلاً قرآن کریم میں ہے ومن شاء فلیکفر (الکہف: ۲۹) ''اور جو چاہے کفر کرے'' دیکھئے یہاں فلیکفر صیغہ فعل امر غائب ہے لیکن اس قرآنی حکم کی تعمیل حرام ہے کیونکہ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ جو شخص بار بار سمجھانے کے باوجود بھی کفر و شرک کے خطرناک عواقب کو خاطر میں نہیں لاتا تو وہ کفر کر کے دیکھ ہی لے اور پھر اسکا مزہ بھی چکھے۔ معاذ اللہ آیت کے اس حصے کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو شرعی اختیار دے دیا ہے کہ وہ کفر کرنا چاہیں تو کر لیں چنانچہ اگلا مضمون یہ ہے کہ ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے

(ط) کبھی عدم تعمیل کا سبب یہ ہوتا ہے کہ تعمیل کا ذمہ دار یہ سمجھتا ہے کہ حاکم کے حکم کا بہتر متبادل موجود ہے اور وہ حاکم کو اسی متبادل صورت کا مشورہ دیتا ہے مثلاً غزوہ حدیبیہ کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ بطور سفیر قریش مکہ کے پاس جائیں لیکن انہوں نے تعمیل کرنے کی بجائے مشورہ دیا کہ اس مقصد کے لئے حضرت عثمان غنیؓ کو بھیجنا زیادہ مناسب ہوگا، چنانچہ آپ ﷺ نے یہ مشورہ قبول فرماتے ہوئے حضرت عثمانؓ ہی کو قریش مکہ کے پاس بھیجا۔

(ی) کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حکم سے تعمیل مقصود نہیں ہوتی بلکہ مخاطب کا امتحان مقصود ہوتا ہے، مثلاً استاد شاگرد کو حکم دے کہ جس طرح نماز جنازہ میں سجدہ کیا جاتا ہے کر کے دکھاؤ۔ ظاہر ہے کہ اگر شاگرد کو معلوم ہو کہ نماز جنازہ میں سجدہ نہیں ہوتا تو وہ حکم کی تعمیل میں سجدے میں نہیں گر جائے گا۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ واقعۂ قرطاس میں بھی صحابہ کرامؓ کا امتحان مقصود تھا کہ کون دین کو کامل سمجھتا ہے اور کون دین کو ابھی تک نامکمل سمجھتا ہوا کاغذ قلم لینے بھاگتا ہے۔ حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھی اس

امتحان میں کامیاب ہوئے۔اور حسبنا کتاب اللہ (ہمیں اللہ کی کتاب یعنی قرآن کافی ہے) اس لئے کہا کہ کچھ ہی عرصے قبل حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر تم کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔اور اب بھی آپ ﷺ نے ایسی تحریر لکھانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا جس سے امت گمراہ نہ ہو۔

(ک) کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حکم کا مطلب اور منشا سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے یا اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے چونکہ ہر کسی کی نیت نیک ہوتی ہے لہذا کوئی بھی لائق تعزیر نہیں ہوتا، واقعہ قرطاس میں بھی یہ صورت پیش آئی لہذا کسی پر الزام نہیں ہے۔

(ل) کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حکم کی حاکم کی طرف نسبت یقینی نہیں ہوتی یعنی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ واقعی حاکم نے حکم دیا بھی ہے یا نہیں۔

(م) کبھی عدم تعمیل اس لئے بھی ہوتی ہے کہ تعمیل کا ذمہ دار اپنے طور پر یہ سمجھتا ہے کہ یہ حکم حاکم نے منسوخ کر دیا تھا یا اس کی جگہ کوئی اور حکم دیا تھا۔

(ن) کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حکم عام مخصوص عنہ البعض کی حیثیت رکھتا ہے یعنی حکم گو بظاہر عام ہے لیکن کچھ استثنائی صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن پر یہ حکم لاگو نہیں ہوتا، مثلاً قرآن کریم میں احکام وراثت موجود ہیں لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام ان سے اس لئے مستثنیٰ ہیں کہ وہ نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ کوئی اور ان کا وارث ہوتا ہے، ان کی وراثت مال میں نہیں بلکہ علم میں ہوتی ہے جو وہ امت کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔

(س) کبھی عدم تعمیل کا سبب غفلت، تساہل اور لاپرواہی ہوتا ہے مگر تعمیل نہ کرنے والا اپنے قصور کا اعتراف کرتا ہے اور حاکم کے حکم اور اسکی حاکمیت اور اتھارٹی کا انکار نہیں کرتا۔مثلاً بہت سے مسلمان نماز روزہ اور دیگر شرعی احکام سے غافل ہیں یہ فسق و فجور تو ہے، کفر و بغاوت نہیں۔

(ع) کبھی عدم تعمیل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ از راہ عناد و عداوت، تکبر و سرکشی یا کسی اور وجہ سے حاکم کی حاکمیت کا انکار مقصود ہوتا ہے اور اس کے حکم کو حکم سمجھا ہی نہیں جاتا بلا شبہ عدم تعمیل کی یہ صورت کفر و بغاوت ہے۔عدم تعمیل کے اسباب کا یہاں احاطہ و استیعاب مقصود نہیں لیکن عدم تعمیل کی مذکورہ گوناگوں صورتوں سے یہ تو اچھی طرح واضح ہو گیا۔کہ ہر عدم تعمیل نہ صرف یہ کہ مذموم نہیں بلکہ بعض اوقات یہ عدم تعمیل واجب ہوتی ہے اور تعمیل شرعاً حرام اور ناجائز ہوتی ہے اور کبھی یہ عدم تعمیل مستحب اور بہتر اور کبھی یہ عدم تعمیل جائز اور مباح ہوتی ہے۔کسی حکم کو حجت نہ سمجھنا اور بات ہے اور اس پر عمل نہ کرنا اور بات ہے۔اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یا دھوکہ دینے کی غرض سے منکرین حدیث نے صحابہ کرامؓ کی طرف سے بعض مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کی ظاہری عدم تعمیل سے یہ غلط نتیجہ اخذ کر لیا کہ حدیث رسول (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) سرے سے حجت ہی نہیں اور کچھ ظاہر بین حضرات ہر

عدم تعمیل پر معترض ہوتے ہیں لہذا صحابہ کرامؓ کے خلاف اپنے دل میں بے بنیاد شبہات کو جگہ دیتے ہیں، یہ دونوں صورتیں افراط وتفریط کی ہیں فتدبّر وتشکّر۔ زیر بحث واقعہ قرطاس میں صحابہ کرامؓ کا کوئی فریق بھی ہرگز مورد الزام نہیں۔ صحابہ کرامؓ کے حسن عاقبت کی یقینی وقطعی خبریں قرآن کریم نے ہمیں دی ہیں لہذا وہ معلوم العاقبہ ہوئے۔ اگر ان کے خلاف کچھ الزامات بالفرض صحیح بھی ہوں تو چونکہ یہ حضرات معلوم العاقبہ ہیں لہذا یہ الزامات کالعدم ہیں، یہ حضرات سب کے سب مغفور ومرحوم ہیں جیسا کہ قبل ازیں حاشیہ نمبر ۵۳ میں فتنہ ارتداد پر بحث کے دوران ہم مختصراً بیان کر چکے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے بعد دوسروں کو اپنی عاقبت کا یقینی علم نہیں لہذا اپنے علم کے اعتبار سے وہ مجہول العاقبہ ہوئے۔ مجہول العاقبہ لوگوں کو عقلاً ونقلاً یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ وہ معلوم العاقبہ صحابہ کرامؓ کے خلاف بزعم خویش کرسیٔ عدالت پر براجمان ہو کر فیصلے صادر کرنے لگیں۔ صحابہ کرامؓ کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بعض اوقات سہولت فہم کے لئے ایسے ہی کر دی جاتی ہے جیسا کہ بعض قرآنی آیات کی تفسیر کے سمجھنے اور سمجھانے کی سہولت کے پیش نظر حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت انتہائی احتیاط سے کی جاتی ہے ورنہ ہمیں تو اس کا حق ہرگز حاصل نہیں کہ ہم انکی اجتہادی خطاؤں کا محض لذتِ نفس کے لئے، ان کے خلاف (معاذ اللہ) اپنے بغض وعناد کے جذبہ کو تسکین بخشنے کے لئے ڈھنڈورا پیٹتے پھریں یہاں خاموش رہنے میں ہی سلامتی ہے۔ واقعۂ قرطاس کے معاملے میں حضرت علیؓ اور دیگر اہل بیتؓ حضرات کا بعینہٖ وہی موقف ہے جو حضرت عمرؓ کا تھا، چنانچہ بعد کے ایک ایسے ہی موقع کے متعلق حضرت علیؓ فرماتے ہیں **امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اتیہ بطبق یکتب فیہ مالا تضلّ امتہ من بعدہ فخشیت ان تفوتنی نفسہ قال قلت انّی احفظ و اعی قال اوصٰی بالصلوٰۃ و الزکوٰۃ و ماملکت ایمانکم** (مسند امام احمد تحت مسندات علی المرتضٰی بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۳۶) ''مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں آپ ﷺ کے پاس کوئی طشتری لاؤں جس میں ایسی چیز لکھا دی جائے کہ آپ ﷺ کے بعد امت گمراہ نہ ہو تو مجھے یہ خوف لاحق ہوا کہ (میری عدم موجودگی میں) کہیں آپ مجھے داغ مفارقت ہی نہ دے جائیں، میں نے عرض کیا (آپ ﷺ مجھے زبانی بتا دیں) میں (آپ ﷺ کی باتوں کو) خوب یاد رکھوں گا اور ان کی حفاظت کروں گا آپ ﷺ نے (اس پر) نماز، زکوٰۃ اور زیر دست (غلاموں اور لونڈیوں) کے متعلق وصیت فرمائی''۔ دیکھئے حضرت علیؓ کو جو کچھ بتایا گیا محض تاکید وتذکیر کے طور پر بتایا گیا ورنہ ان امور کی تعلیم پہلے بھی دی جا چکی تھی۔ خلفائے راشدینؓ میں سے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے مزاج میں حیرت انگیز یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں حضرت علیؓ کے مشوروں کو نہایت قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اظہار عقیدت کے طور پر فرمایا کرتے تھے **لو لا علی لھلک عمر** ''اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا'' بیت المقدس کی فتح کے موقع پر مدینہ

منورہ میں اپنی جانشینی کے لئے آپؐ کی نگاہ انتخاب صرف حضرت علیؓ ہی پر پڑی اور انہیں کو نائب بنا کر تشریف لے گئے (ابن جریر طبری بحوالہ البدایۃ ۷/۵۳) اگر یہ اصرار کیا جائے کہ اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت درد لاحق تھا اس کے باوجود سامان کتابت مہیا کرنا چاہئے تھا تو جب یہ ثابت ہو چکا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حاضرین کو کاغذ لانے اور لکھنے کا حکم امر اباحت تھا یا زیادہ سے زیادہ اسے امر استحبابی کہا جاسکتا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ مباح اور مستحب پر عمل کرنا ضروری نہیں ہوا کرتا اور عمل نہ کرنے والے پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا تو حضرت عمرؓ یا کسی بھی اور صحابیؓ رسول کو (معاذ اللہ) مطعون کرنے کا جواز ہی کب باقی رہا؟۔ یہ بھی غور کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کے اصل پابند اہل بیتؓ ہی ہو سکتے ہیں حضرت عمرؓ تو عیادت کے لئے تشریف لائے تھے اگر عدم تعمیل (معاذ اللہ) کوئی جرم ہے تو اس کا ارتکاب تو (معاذ اللہ) اہل بیت نے کیا، لہذا یہاں عدم تعمیل کو جرم تصور کر لینا ایک ایسا مفروضہ ہے جس کا حقیقت سے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

۷۰۔ صحیح بخاری بحوالہ البدایۃ والنھایۃ ۵/۲۱۶

۷۱۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ بحوالہ البدایۃ۔ ۵/۲۱۷

۷۲۔ ایضاً

۷۳۔ صحیحین بحوالہ البدایۃ والنھایۃ ۵/ ۲۱۷۔ اس طرح کی روایات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی آخری عمر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت کے لئے مقرر فرمانے سے نہایت کھلے، روشن اور واضح شواہد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفۂ اول ہونے کے ملتے ہیں۔ آپ ﷺ نے صاف صاف نامزدگی اسلئے نہ فرمائی کہ بعد میں لوگ نامزدگی کو فرض، واجب یا مستحب کا درجہ نہ دے دیں بلکہ اسے حسب ضرورت محض مباح کے درجے میں رکھیں، غالبا اسی لئے واقعۂ قرطاس کے سلسلے میں آپ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا تھا کہ میں جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جسکی طرف تم مجھے بلاتے ہو یعنی تمہارے اختلاف رائے پر میں ایسا طرز عمل اختیار نہیں کروں گا کہ امر اباحت کو امر استحبابی یا امر وجوبی کا درجہ دے دیا جائے۔

۷۴۔ صحیح بخاری ۱/۹۹۔ بتقاضائے بشریت بعض اوقات انسان اپنے مافی الضمیر کے اظہار میں جھجک محسوس کرتا ہے اور اگر یہ صورت اللہ کے نزدیک خلاف اولیٰ ہو تو اسکی اصلاح کے لئے کلام میں تغلیظاً (سخت انداز اختیار کرتے ہوئے) جو الفاظ وکلمات لائے جاتے ہیں اس سے بعض اوقات حضرات انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں ہوتے، مثلاً حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا و تُخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ و تخشی الناس و اللہ احق ان تخشاہ (الاحزاب: ۳۷) ''اور (اے پیغمبر!) تو اپنے دل میں ایسی بات چھپائے ہوئے تھا جسے اللہ نے ظاہر کرنا ہی تھا اور تو لوگوں (کے طعنوں) سے ڈر رہا تھا

حالانکہ اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے''۔ جس طرح ایسی صورت حال میں حضرات انبیاء علیہم السلام پر کسی بھی سلیم الطبع شخص کے لئے کسی طعن کی قطعاً گنجائش نہیں اسی طرح صحابہ کرامؓ کے بارے میں بھی کسی بدظنی کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کو ''تم یوسف والیاں ہو'' اس لئے کہا تھا کہ جس طرح مصر کی عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کے بے مثال حسن سے متاثر ہو کر اپنے دلوں میں حضرت یوسفؑ سے محبت کر رہی تھیں مگر زبان سے بظاہر زلیخا کو مطعون کر رہی تھیں کہ وہ یوسف علیہ السلام کی محبت میں کیوں مبتلا ہے، اسی طرح ازواج مطہرات کے دل میں تو یہ بات تھی کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مرض میں رحلت فرما گئے تو لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق بدشگونی سے کام نہ لیں مگر بظاہر وہ یہ کہہ رہی تھیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نہایت رقیق القلب ہیں مسلمانوں کو نماز پڑھانے کا فریضہ شاید سرانجام نہ دے سکیں لہذا اس کام کے لئے کسی اور کو مقرر فرمایا جائے۔

۷۵۔ صحیح بخاری ۲/۶۴۱ باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۷۶۔ سیرۃ ابن ہشام ۲/۶۵۵۔ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ مختلف حالات اور اوقات میں انسانی جذبات و احساسات تغیر پذیر رہتے ہیں لہذا یہ شبہ لغو ہے کہ غزوۂ احد کے دن تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا یقین کر لیا تھا تو آپ ﷺ کی رحلت کے موقع پر ان پر یہ کیفیت کیوں طاری ہوئی ؟ ضروری نہیں کہ (مثلاً) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر غزوہ احد کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سے غم واندوہ کی وہی کیفیت طاری ہوئی ہو جس کا تجربہ انہیں آپ ﷺ کی رحلت کے وقت ہوا۔ یہاں حقیقت یہ ہے کہ احد کے دن بھی حضرت عمرؓ کو آپ ﷺ کی شہادت کی خبر کے صحیح ہونے کا یقین کامل نہیں تھا بلکہ تھوڑی دیر کے لئے یہ سوچ کر پریشان ہو کر بیٹھ رہے کہ اگر واقعی آپ ﷺ شہید ہو چکے ہیں تو ہم اب کیا کریں لیکن طبیعت بے قرار تھی تبھی تو آپ ﷺ کی تلاش میں اٹھ کھڑے ہوئے اور بالآخر آپ ﷺ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

۷۷۔ آل عمران: ۱۴۴

۷۸۔ سورہ حج میں اللہ تعالیٰ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آنے والے مظلوم مہاجرین کی مدح فرمائی کہ انہیں صرف اس لئے ان کے گھروں سے نکال باہر کیا گیا کہ یہ لوگ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ ان مظلوم مجاہدین کو جہاد کی اجازت دینے اور جہاد کے مقاصد بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم اگر انہیں زمین میں حکومت دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برے کاموں سے روکیں گے۔ اور تمام امور کا انجام اللہ ہی کے لئے ہے۔ (سورہ الحج: ۴۱)۔ اس آیت تمکین میں اس امر کی طرف واضح اشارہ موجود ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت مہاجرین کے حصے میں آئے گی کیونکہ ان متعلقہ آیات میں صرف مہاجرین ہی کا ذکر ہے۔

سورہ نور کی آیت استخلاف کی رو سے اللہ تعالیٰ نے اس خلافت کا وعدہ بھی فرمالیا کہ خلافت کے حقداروں کو یہ حق ضرور بالضرور پہنچ کر رہے گا لیکن آیت میں خلفائے راشدینؓ کے ناموں اور ترتیب خلافت سے لوگوں کو مطلع نہیں کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے خلاف ہرگز کچھ نہیں ہوسکتا۔ لوگوں کو بعد میں پتہ چلا کہ آیت استخلاف کا نام بنام مصداق کون لوگ ہیں اور ان کی توتیب خلافت کیا ہے۔ اللہ کے وعدے کا یہ مطلب نہیں کہ لوگ ضروری اسباب اختیار نہ کریں۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے انا نحن نزلنا الذکر و انالہ لحافظون (الحجر:۹) 'ہم نے نصیحت یعنی قرآن کریم کو اتارا ہے اور ہم ہی اسکی حفاظت کرنے والے ہیں''۔ اس کے باوجود صحابہ کرامؓ نے حفاظت، قرآن کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کو بجا طور پر محسوس کیا اور قرآن کریم کی حفاظت کا ربانی وعدہ عالم اسباب کے تحت سب سے پہلے صحابہ کرامؓ ہی کے ذریعہ پورا ہوا۔ اسی طرح خلافت راشدہ کا ربانی وعدہ بھی عام اسباب کے تحت بظاہر صحابہ کرامؓ ہی کی مساعی سے خارج میں ظہور پذیر ہوا۔ اور خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سب نے بیعت کی۔ تاریخ طبری میں ہے کہ لوگ ہر طرف سے آپ کی بیعت کرنے آگئے اور بیعتِ ابوبکرؓ پر قوم ٹوٹ پڑی اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کی (تاریخ طبری ۳/۳۲۲، ۳۲۳) حبیب بن ثابت سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ اپنے گھر میں تھے کہ انہیں پتہ چلا کہ ابو بکرؓ بیعتِ خلافت کے لئے مسجد میں بیٹھے ہیں تو آپ اپنے گھر سے اس تیزی سے نکلے کہ آپ کے پاس نہ ازار تھا اور نہ چادر۔ یہ جلدی اس لئے کی کہ کہیں بیعت میں تاخیر نہ ہوجائے چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کی اور انکی خدمت میں بیٹھے رہے اور وہاں سے کسی کو بھیج کر اپنی چادر منگوائی اور اسی مجلس میں شامل رہے (تاریخ طبری ۲/۴۴۷)۔ ابن حبان اور دوسرے علما نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی پہلے روز ہی بیعت کرلی تھی اور یہ جو مسلم میں ہے کہ کسی شخص سے ابن شہاب زہری نے کہا کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت وفاتِ فاطمہؓ تک نہیں کی تھی اور نہ ہی بنی ہاشم میں سے کسی اور نے کی تو زہری کے اس قول کو بیہقیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے، کیونکہ زہری کا یہ قول متصل نہیں اور حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت متصل ہے لہذا وہی صحیح ہے (فتح الباری شرح بخاری ۷/۳۹۹، ارشاد الساری قسطلانی ۸/ ۱۵۸)۔ یہ صحیح اور محفوظ اسناد ہیں۔ ان سے بڑی مفید چیز ثابت ہوئی کہ سیدنا حضرت علیؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پہلے روز یا دوسرے روز بیعت کرلی تھی (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ ۵/۲۴۹)، ''بے شک حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ سے کسی وقت بھی علیحدہ نہیں ہوئے اور نہ ہی کسی ایک نماز میں ان سے پیچھے رہے، جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔ حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اس وقت بھی نکلے جب وہ مرتدین سے قتال کے لئے شمشیر برہنہ لے کر ذی القصہ کے مقام کی طرف گئے'' (البدایۃ والنہایۃ ۵/۲۴۹، کنز العمال ۳/۱۱۔ ومثلہ فی المستدرک للحاکم ۳/۷۶)۔ جنگ جمل

کے موقع پر سیدنا حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم نے ابوبکرؓ کی بیعت کی اور مجھ سے اعراض کیا تو میں نے بھی ابوبکر کی بیعت کرلی (امالی شیخ طوسی شیعی طبع عراق ۲/۱۲۱) حضرت علیؓ اٹھے اور نماز کی تیاری کی اور مسجد میں جا کر ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی (احتجاج طبرسی شیعی صفحہ ۵۳)۔ امام احمدؒ وغیرہ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابوبکرؓ وعمرؓ ہیں۔ امام ذھبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات سیدنا علیؓ سے تواتر سے ثابت ہے (تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۹۵)۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما دونوں ہدایت کے امام تھے، دونوں راشد تھے، دونوں اصلاح کرنے والے تھے، نیک مقاصد میں کامیاب تھے وہ دنیا سے بھوکے رخصت ہوئے یعنی مال جمع نہیں کیا (طبقات ابن سعد ۳/ ۱۴۹) ایک موقع پر حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا، لوگو! سنو بے شک ابوبکرؓ بڑے نرم دل اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے اور سنو بے شک عمرؓ اللہ کے دین کی خیر خواہی کرنے والے تھے پس اللہ نے ان کی خیر خواہی کی (ایضا ۳/ ۱۲۱) حضرت فاطمہؓ کی تیمار داری لگا تار حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے کی اور نماز جنازہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پڑھائی (طبقات ابن سعد ۸/ ۱۶، ۱۹، السنن الکبریٰ بیھقی ۴/ ۲۹) باغ فدک کے معاملے میں حضرت فاطمہؓ کی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ناراضگی، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت میں حضرت علیؓ کی طرف سے چھ ماہ کی تاخیر، حضرت فاطمہؓ کے جنازے میں حضرت ابوبکرؓ کو شامل نہ کرنا، ایسی سب روایات میں محمد بن مسلم المعروف بہ ابن شھاب زھری شامل ہے اسکی روایات فریقین کی کتب میں موجود ہیں شیعہ اسماء الرجال کی کتاب منھی المقال کے صفحہ ۲۴۸ پر ابن شھاب زہری کے کوائف موجود ہیں۔ اصول کافی میں مثلاً پہلی جلد کے صفحات ۳۶۰، ۳۶۹، ۳۳۷، ۴۳۷ پر اس کی روایات موجود ہیں (اصول کافی مطبوعہ نجف اشرف)

اس مقصد کے لئے دیکھئے رحماء بینھم حصہ صدیقی مؤلفہ مولانا محمد نافع، نیز دیکھئے اہل سنت پاکٹ بک مؤلفہ مولانا دوست محمد قریشیؒ صفحہ ۱۲۹۔ مذکورہ طرز کی روایات کی حیثیت ہرگز احادیث رسول ﷺ کی نہیں۔ یہ آثار محض تاریخی واقعات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سنی اسماء الرجال کی کتب میں اگر چہ زہری کی تعریف کی گئی ہے لیکن ان کے ایک بہت بڑے عیب کا بھی ذکر ہے کہ اسے ادراج (راویت میں اپنی طرف سے عبارتیں بڑھانے) کی مکروہ عادت تھی۔ تدلیس کا الزام بھی زہری پر عائد کیا گیا ہے۔ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ فرماتے ہیں ''وای اعتماد بہ (بالتاریخ) **اذلم یخلص الصحیحان من الاوھام حتّٰی صنعوا فیھا کتبا عدیدۃ** (فیض الباری حاشیہ بخاری ۴/ ۷۷، باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم)'' یعنی تاریخ کا اعتماد ہی کیا ہے جبکہ صحیحین (کے بعض راوی بھی) اوہام سے خالی نہیں ہیں یہاں تک کہ اس بارے میں علما نے کئی کتب لکھی ہیں''۔ صحیح بخاری کے اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ دیگر کتب احادیث میں کہیں بھی اور کبھی بھی بخاری کی احادیث سے

زیادہ صحیح احادیث نہیں ہوسکتیں۔ جن روایات میں زہری موجود نہیں وہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق کوئی ایسی روایت موجود نہیں جس سے کوئی اشکال پیدا ہو۔ نیز ایسی روایات کو کتاب اللہ کی ان قطعیات کے مقابلے میں لانا ہی کب درست ہے جن سے جملہ صحابہ کرامؓ کا عموماً اور خلفائے راشدین کا خصوصاً مقربان بارگاہ الٰہی ہونا بلاشک وشبہ ثابت ہو رہا ہے۔ ایک آیت استخلاف ہی دیکھ لیجئے جس میں خلفائے راشدین کی بھرپور مدح موجود ہے۔ رضی اللہ عنھم اجمعین۔

۷۹/۱۔ حضرت جعفر صادقؒ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ پر ملائکہ نے اور مہاجرین وانصار نے فوج در فوج نماز پڑھی (اصول کافی صفحہ ۲۳۱، طبع نجف اشرف) دس مہاجر اور دس انصار نماز پڑھ کر حجرہ مقدسہ سے نکلتے گئے دس اور آتے گئے حتیٰ کہ کوئی بھی مہاجرین و انصار سے باقی نہ رہا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ ادا نہ کی ہو (احتجاج طبرسی صفحہ ۱۵۱) حتیٰ کہ چھوٹوں اور بڑوں نے، مردوں اور عورتوں نے، مدینہ اور اطراف مدینہ کے باشندگان نے حضور علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھی (حیات القلوب فارسی ملا باقر مجلسی شیعی صفحہ ۸۶۶)۔ ابن اسحٰق، واقدی وغیرہ بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۵/۲۵۱۔

۷۹/۲۔ نقوش سیرت نمبر ۲/۱۱۹ (مدیر محمد طفیل، ۱۹۸۲ء، ادارہ فروغ اردو لاہور)

۸۰۔ فتح مکہ ۲۰ رمضان ۸ ہجری بروز جمعہ (المغازی للواقدی ۳/۸۸۹) مدینہ سے روانگی برائے غزوہ فتح مکہ ۱۰ رمضان ۹ ہجری بروز بدھ (طبقات ابن سعد ۲/۱۳۵، المغازی للواقدی ۲/۷۰۱)

۸۱۔ المغازی للواقدی ۳/۱۱۰۱۔

۸۲۔ جوہر تقویم ضیاء الدین لاہوری صفحات ۲۶۲، ۲۶۳۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع اول ۱۹۹۴

۸۳۔ الآثار الباقیہ للبیرونی عربی صفحات ۶۶۔ ۶۸ انگریزی ترجمہ دی کرونولوجی آف دی اینشینٹ نیشنز صفحات ۷۶۔۸۱

۸۴۔ جوہر تقویم ضیاء الدین لاہوری صفحہ ۲۶۲، ۲۶۳

۸۵۔ طبقات ابن سعد ۲/۱۶۹

۸۶۔ ابن اسحاق بحوالہ البدایہ والنہایۃ ۵/۹۴

۸۷۔ المغازی للواقدی ۳/۱۰۷۹، جمع الفوائد ۲/۱۱۵ حدیث رقم ۶۶۸۰

۸۸۔ جمع الفوائد ایضاً

۸۹۔ ابن اسحٰق بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۵/۹۵

۹۰۔ رحمۃ للعالمین قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ ۲/۱۰۶

۹۱۔ رحمۃ للعالمین ایضاً۔ البدایۃ والنہایۃ ۵/۲۹۳

۹۳۔ رحمۃ للعالمین ایضاً

۹۴۔ البدایہ والنہایہ ۵/ ۱۰۷

۹۵۔ ایضاً ۵/ ۱۰۸

۹۶۔ طبقات ابن سعدؒ ۲/ ۱۷۳، ۱۷۵

۹۷۔ المغازی للواقدی ۳/ ۱۱۰۱

۹۸۔ صحیح بخاری بحوالہ البدایہ والنہایہ ۵/ ۱۰۶۔ ۱۰۷

۹۹، ۱۰۰۔ تحویل قبلہ (بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دینے) پر یہودیوں نے سخت اعتراضات کئے تھے ۔ بیت المقدس یہود ونصاریٰ کا قبلہ تھا۔ مسلمانوں کو بھی کوئی سترہ ماہ تک اسی قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ بعد میں ہمیشہ کے لئے خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا تو یہودیوں کا بالخصوص اس پر معترض ہونا فطری امر تھا، کیونکہ اس سے ان کی نام نہاد تہذیبی وثقافتی برتری مجروح ہوئی تھی۔ عربوں نے اپنی قمریہ شمسی تقویم بھی چونکہ یہودیوں کی عبرانی تقویم سے متاثر ہو کر اپنائی تھی اس لئے حجۃ الوداع کے موقع پر اس قمریہ شمسی تقویم کی منسوخی سے یہودیوں کا ناخوش ہونا بھی فطری امر تھا۔ چنانچہ اسلام کے پردے میں یہودی روایات کے حامل منافقین دیگر مکروہ سازشوں کے علاوہ مسلمانوں کی خالص قمری تقویم کے خلاف بھی زیر زمین کام کرتے رہے۔ یہاں چند حقائق پیش کئے جاتے ہیں :

(الف) مشہور مسلمان ریاضی دان اور ماہر ہیئت ابوریحان البیرونیؒ کا زمانہ چوتھی صدی ہجری کا ہے، البیرونی نے اپنی مشہور کتاب الآثار الباقیہ میں لکھا ہے کہ ایک باطنی فرقہ ایسا بھی موجود ہے جو یہودیوں کی طرح رویت ہلال کو نظر انداز کر کے محض طلوع ہلال کو محسوب کرتا ہے۔ اس گروہ کے نزدیک قمری سال کے چھ ماہ لازماً ۳۰ دن کے اور چھ ماہ لازماً ۲۹ دن کے ہونے چاہئیں، ہر تیس دن والے مہینے کے بعد لازماً ۲۹ دن والا مہینہ ہونا چاہئے، یہ لوگ اپنے ان خیالات کو حضرت امام جعفر صادقؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کے حسابات اوسط اقدار (Mean Values) پر مبنی ہیں یہ چاند کی اصل حرکات کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ اس گروہ کے نزدیک رمضان کا مہینہ ہمیشہ ۳۰ دن کا ہوتا ہے، اور سال کا آغاز محرم کی بجائے رمضان سے کرتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے **افطروا لرؤیتہ و صوموا لرؤیتہ** "چاند دیکھ کر روزہ کھولو اور چاند دیکھ کر روزہ رکھو"۔ اس کا مطلب یہ لوگ یہ لیتے ہیں کہ روزہ رؤیت ہلال سے پہلے رکھنا چاہئے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ **تھیّوؤا الاستقبالہ** کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے آنے سے پہلے اس کے استقبال کی تیاری کرو، اسی طرح **صوموا لرؤیتہ** کا مطلب بقول ان کے یہ ہے کہ چاند دیکھنے سے پہلے ہی روزہ رکھ لیا کرو۔ البیرونی نے شیعہ کے مشہور فرقے زیدیہ کی تعریف کی ہے کہ وہ اس طرح کی گمراہی میں مبتلا نہیں ہیں۔ بقول البیرونی زیدیہ کی کتابوں میں ہے کہ ایک مرتبہ رمضان ۲۸ دن کا پڑا، کیونکہ شعبان ۳۰ دن کا شمار کر لیا گیا تھا حالانکہ شعبان اور رمضان دونوں درحقیقت ۲۹، ۲۹ دن کے تھے۔ رمضان کا چاند

بروقت نظر نہ آنے کی وجہ سے شعبان کو ۳۰ دن کا قرار دیا گیا۔ اگلے ماہ شوال کا چاند بروقت نظر آیا رمضان ۲۹ دن کا تھا لیکن اس کا ایک دن شعبان میں شمار کرلیا گیا تھا لہذا رمضان ۲۸ دن کا رہ گیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے لوگوں کو حکم دیا کہ عید الفطر کے بعد ایک روزہ مزید رکھا جائے تاکہ رمضان کے ۲۹ روزے پورے ہوجائیں، نیز امام جعفر صادقؒ کی طرف یہ قول بھی منسوب ہے کہ دوسرے قمری مہینوں کی طرح رمضان بھی ۲۹ یا ۳۰ دن کا ہوسکتا ہے، اس سے فرقہ باطنیہ کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے (محصلہ الآثار الباقیہ کا انگریزی ترجمہ دی کرونولوجی آف دی انشینٹ نیشنز صفحات ۷۶۔۸۱، عربی متن کے صفحات ۶۶۔۶۸ ھجرۃ انٹرنیشنل پبلیشرز۔۱۹۸۳)۔

(ب) البیرونی نے اسی کتاب الآثار الباقیہ میں یہودیوں کے ایک فرقے عنانیہ کا ذکر کیا ہے، اس فرقے کے خیال میں یہودیوں کا سربراہ لازماً حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے ہونا چاہئے اور نسل داؤدی سے وہی شخص ہوسکتا ہے جو سیدھا کھڑا ہو تو جھکے بغیر اس کے ہاتھ کی انگلیاں اس کے گھٹنوں تک پہنچ جائیں، پھر البیرونی نے لکھا ہے کہ اسی طرح کی باتیں کچھ لوگ حضرت علیؓ کے متعلق بھی کہتے ہیں اور امامت کو ان کی نسل میں محدود کرتے ہیں۔ (ایضا۔ انگریزی ترجمہ صفحات ۶۷۔۶۹، عربی متن ۵۸۔۵۹)

(ج) اسلامی قمری ہجری تقویم کے خلاف مذکورہ بالا سازشوں کے ساتھ یہ لوگ یہودی تقویم کی طرز پر (منسوخ شدہ) قمریہ شمسی تقویم کو بھی اپنے مکروہ مقاصد کے لئے استعمال کرتے رہے۔ مثلاً سانحہ کربلا کی خالص قمری تقویم میں تاریخ ۱۰ محرم ۶۱ ہجری ہے، اس کے بالمقابل جیولین عیسوی تقویم کی تاریخ یوں برآمد ہوگی (۹ تقسیم ۳۵۴) + ۶۱ = ۶۱.۰۲۵۴۲۳، (۶۱.۰۲۵۴۲۳ × ۹۷۰۲۰۴.) + ۶۲۱.۵۶۹۲ = ۶۸۰.۷۷۶۳، (۷۷۶۳. × ۳۶۶) = ۲۸۴.۱۲ = ۲۸۴ = ۱۱۰ اکتوبر ۶۸۰ عیسوی جیولین۔ یہودیوں کے عبرانی سال کا پہلا مہینہ تشری، عیسوی سال کے ماہ ستمبر کے بالمقابل ہوا کرتا تھا۔ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم میں بھی اسی طرز پر قمریہ شمسی کا آغاز ستمبر سے ہوا کرتا تھا، لہذا ۱۱ اکتوبر کا مہینہ صفر قمریہ شمسی کے بالمقابل ہوا۔ چنانچہ سانحہ کربلا کا مہینہ بقول طبری صفر بھی بیان کیا گیا ہے (تاریخ طبری ۲۲۳/۶) ۱۰ محرم کی مقدس تاریخ کو حضرت حسینؓ مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے تھے۔ انہیں اس سعادت سے بزعم خویش محروم کرنے کے لئے قمریہ شمسی تقویم کے مہینے صفر کو شہادت حسینؓ کا مہینہ قرار دینے کی کوشش کی گئی۔ ۱۰ محرم ۶۱ ہجری کو بدھ کا دن تھا۔ حسب قواعد دن کی تخریج یوں ہوگی (۴.۳۶۷۰۶ × ۶۰) + ۹ = ۲۷۱.۰۲ = ۲۷۱، (۲۷۱ تقسیم ۷ کا باقی ماندہ) = ۵ = بدھ، ۱۰ صفر ۶۱ ھجری کو جمعہ تھا، تخریج یوں ہوگی (۴.۳۶۷۰۶ × ۶۰) + ۱.۵۳۰۵۸۸ + ۹) = ۲۷۲.۵۵ = ۲۷۳، (۲۷۳ تقسیم ۷ کا باقی ماندہ) = صفر = جمعۃ المبارک، مگر ۱۰ محرم ۶۱ ہجری کا دن جمعہ اس لئے مشہور کیا گیا کہ ۱۰ محرم اور ۱۰ صفر کا التباس پیدا کیا جاسکے۔ سیدنا حضرت علیؓ کا یوم شہادت ۱۱ یا ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ ہجری ہے۔ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کے بالمقابل جیولین عیسوی تاریخ یوں برآمد ہوگی (۸ ×

(۲۹.۵)+۱۶=۲۵۲، (۲۵۲، تقسیم ۳۵۴)+۴۰=۴۰.۷۱۱۸۶۴، (۴۰.۷۱۱۸۶۴×.۹۷۰۲۰۴)+ ۶۲۱.۵۶۹۲=۶۶۱.۰۶۸۰۱، (۰۶۸۰۱.×۳۶۵)=۲۴.۸۲ = ۲۵ جنوری ۶۶۱ عیسوی جیولین ۔ قمریہ شمسی تقویم میں محرم کا آغاز ستمبر سے ہوا کرتا تھا پس جنوری کا مہینہ جمادی الاولیٰ کے بالمقابل ہوا جو ربیع الثانی کے بعد اگلا مہینہ ہے چنانچہ ربیع الثانی کے مہینے کو بھی حضرت علیؓ کی شہادت کا مہینہ قرار دیا گیا (تاریخ ابن خلدون نفیس اکیڈمی اردو ترجمہ ۱/۵۵۰ طبع ۱۹۶۶ کراچی) تاکہ رمضان کے مقدس مہینے میں شہادت سے حضرت علیؓ کو بزعم خویش محروم رکھا جا سکے ۔ حضرت عمر فاروقؓ کا یوم شہادت/ یوم تدفین یکم محرم ۲۴ ہجری ہے (البدایہ والنہایہ ۷/۱۳۰) اس کے بالمقابل عیسوی جیولین کی تاریخ یوں برآمد ہوگی (۲۴×۹۷۰۲۰۴.)+۶۲۱.۵۶۹۲ = ۶۴۴.۸۵۴۰۹، (۸۵۴۰۹.×۳۶۶) = ۳۱۲.۵۹ = ۳۱۳ = ۸ نومبر ۶۴۴ عیسوی جیولین، عبرانی طرز پر قمریہ شمسی تقویم کا آغاز ستمبر سے ہوا کرتا تھا اس لئے نومبر کا مہینہ ربیع الاول کے بالمقابل ہوا چنانچہ ۹ ربیع الاول کو عید بابا شجاع کے نام سے باعتراف ملا باقر مجلسی حضرت عمرؓ کے یوم شہادت پر خوشی منائی جاتی ہے (زاد المعاد ص ۴۳۳۔۴۳۶) یہاں خالص قمری تقویم کی بجائے منسوخ شدہ قمریہ شمسی کا اور یکم کی بجائے ۹ تاریخ کا انتخاب اس لئے کیا گیا کہ عام لوگوں کو اسکا علم نہ ہونے پائے ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری کو ہوا (البدایہ والنہایہ ۷/۱۸) اس کے بالمقابل عیسوی جیولین تاریخ یوں برآمد ہوگی (۵× ۲۹.۵)! ۲۱ = ۱۶۸.۵، (۱۶۸.۵ تقسیم ۳۵۴) + ۱۳ = ۱۳.۴۷۵۹۸۸، (۱۳.۴۷۵۹۸۸× ۹۷۰۲۰۴.)+۶۲۱.۵۶۹۲ = ۶۳۴.۶۴۳۶۵، (۶۴۳۶۵.×۳۶۵)=۲۳۴.۹۳ = ۲۳۵ = ۲۳ اگست ۶۳۴ عیسوی جیولین قمریہ شمسی تقویم کا آغاز ستمبر سے ہوا کرتا تھا، لہذا اگست کا مہینہ ذی الحجہ کے بالمقابل ہوا۔ آپ کو بعض جنتریوں میں ۲۴ ذی الحجہ کو عید مباہلہ ملے گی ۔ عید بابا شجاع نے اس عید کو بھی مشتبہ بنا دیا ہے ۔ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری حضرت عثمانؓ کا یوم شہادت ہے، اسے عید غدیر قرار دیا گیا ہے، حالانکہ اس طرح کے ایامِ عید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدینؓ اور بالخصوص سیدنا حضرت علیؓ سے قطعاً ثابت نہیں ہیں ۔ اسلام کے مدعی ہر شخص کو گروہی تعصبات سے بالاتر ہو کر سنجیدگی سے سوچنا چاہئے کہ جس نسی والی (قمریہ شمسی) تقویم کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ہمیشہ کے لئے منسوخ فرمایا تھا اور جس نسی کو کفر (کے کاموں) میں اضافہ قرار دیا گیا تھا تو اسی تقویم کو سیدنا حضرت حسینؓ، سیدنا حضرت علیؓ و دیگر خلفائے راشدینؓ کے خلاف دھوکہ دہی سے استعمال کرنے والے اس لائق کب ہوئے کہ ہم شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کے نقشِ قدم پر چلتے رہیں؟

(د) قمریہ شمسی تقویم کو پروان چڑھانے کی اسی تحریک کے زیر اثر قمریہ شمسی اور قمری تقاویم میں ایسا التباس پیدا کیا گیا کہ اکثر اہل علم کو یہ سوچنے کا موقع ہی نہ ملا کہ جس ربیع الاول میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ ہوئی تھی، یہ ربیع الاول قمریہ شمسی تھا قمری ہرگز نہ تھا، اسی طرح ہجرت مدینہ کا ربیع الاول بھی

قمریہ شمسی تقویم کا تھا، قمری ہرگز نہ تھا۔ تاکہ مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے خالص قمری تقویم کے ربیع الاول کو ولادت اور ہجرت کا بھی مہینہ سمجھ کر خوشی کا مہینہ سمجھیں گو ربیع الاول کی فضیلت میں سچی تو کیا کوئی جھوٹی روایت بھی موجود نہ ہو۔ متقدمین میں سے جن لوگوں نے ولادت باسعادت کا خالص قمری مہینہ رمضان المبارک بتایا تھا، ان کے قول کو بلاتحقیق شاذ قرار دے کر نظرانداز کر دیا گیا۔

۱۰۱۔ طبقات ابن سعد ۲/ ۱۸۹۔۱۹۰

۱۰۲/۱۔ ایضاً ۲/ ۱۰۶

۱۰۲/۲۔ واقدی وابن سعد وغیرہ بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۲۴۲

۱۰۳۔ البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۲۴۱۔۲۴۳

۱۰۴۔ ایضاً ۵/ ۲۴۲

۱۰۵۔ حجۃ الوداع کے لئے روانگی ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ ہجری بروز ہفتہ (ابن سعد، طبقات ۲/ ۱۷۳) ورود مکہ: ۴/۵ ذی الحجہ ۱۰ ہجری (بروز سوموار) بحوالہ البدایۃ ۵/ ۱۰۶، طبقات ابن سعد ۱۷۳، ۱۷۵ حجۃ الوداع کے لئے مدینہ سے مکہ تک کا سفر ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ ہجری سے ۵ ذی الحجہ ۱۰ ہجری تک (بلحاظ مکی رویت) مکمل ہوا۔ مکی رویت ہلال کے اعتبار سے ذی قعدہ کا مہینہ ۲۹ دن کا تھا، اس طرح یہ سفر کل دس دنوں میں مکمل ہوا جبکہ روانگی کے دن ۲۵ ذی قعدہ کو بھی اس میں شامل کیا جائے۔ حجۃ الوداع سے فراغت کے بعد مدینے کے لئے مراجعت کا سفر ۱۴ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو شروع ہوا تو دس دن ۲۳ ذی الحجہ کو پورے ہوتے ہیں۔ مدنی رویت چونکہ مکی رویت سے ایک دن مؤخر تھی لہذا مدنی رویت کے اعتبار سے یہ تاریخ ۲۲ ذی الحجہ ۱۰ ہجری بنی۔ ذی الحجہ، محرم اور صفر کے مہینے تیس، تیس دنوں کے تھے، لہذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک تک دنوں کی کل تعداد (۳۰۹+۳۰+۱۲) = ۸۱ دن ہوئی۔ اس وضاحت سے بعض ان کہانیوں کی افسانوی حیثیت بھی مزید نمایاں ہو جاتی ہے جن میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو غدیر خم کے مقام پر سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک خیمے میں بٹھایا گیا تھا اور تمام حاضرین مرد وزن کو ان کی بیعت کا پابند کیا گیا تھا، مثلاً جناب آغا سلطان محمد مرزا دہلوی اپنی کتاب البلاغ المبین میں حجۃ الوداع کے سلسلے میں مدینہ سے حج پر روانہ ہونے والوں کی کم سے کم تعداد نوے ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ چالیس ہزار بتاتے ہیں، پھر بقول ان کے راستے میں یہ تعداد بڑھتی گئی اور کئی گنا ہوگئی۔ بقول آغا صاحب ان سب نے حضرت علیؓ سے بیعت کی تھی تاکہ بقول ان کے بعد میں کسی کو مجال انکار نہ رہے (البلاغ المبین جلد اول حصہ سوم صفحات ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۶۲ مصنفہ آغا سلطان محمد مرزا دہلوی رینائرڈ سیشن جج شائع کردہ مکتبہ عمرانیہ نیو شالامار ٹاؤن لاہور طبع ۱۹۵۷)۔ آج کل دفتری اوقات عموماً ۸ بجے صبح سے ۳ بجے بعد دوپہر تک یا مثلاً موسم سرما میں ۹ بجے صبح سے ۴ بجے شام تک یعنی سات گھنٹے ہوتے ہیں، جن میں نماز وغیرہ کے لئے وقفہ بھی

شامل ہوتا ہے اور پھر ہفتہ بھر میں ایک دن کی رخصت بھی ہوتی ہے یعنی ہفتہ بھر میں ۷×۶=۴۲ گھنٹے کام ہوتا ہے جس کی ہفتہ بھر میں روزانہ کی اوسط مدت (۴۲ تقسیم ۷) = ۶ گھنٹے بنی۔ فرض کیجئے حضرت علیؓ بیعت لینے کے لئے مزید تین گھنٹے (Over-time) لگاتے ہوں گے، یعنی روزانہ نو گھنٹے کام کرتے ہوں گے۔ ادھر حجۃ الوداع پر روانہ ہونے والوں کی ابتدائی کم سے کم تعداد نوے ہزار نفوس بتائی گئی ہے جو مبینہ طور پر راستے میں بڑھتی گئی اور بقول آغا صاحب کئی گنا ہوگئی یعنی یہ تعداد دوگنی سے تو یقیناً زائد ہوگی اور کم از کم تین گنا تو ہوگئی ہوگی جیسا کہ الفاظ ''کئی گنا'' سے واضح ہے۔ نوے ہزار کا تین گنا دو لاکھ ستر ہزار ہوا۔ خیمے کے اندر ہر کسی کا جانا، حضرت علیؓ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کلمات بیعت ادا کرنا اور پھر واپس آنا کم از کم نصف منٹ تو لے گا۔ لہٰذا دو لاکھ ستر ہزار مرد و زن سے بیعت لینے میں ایک لاکھ پینتیس ہزار منٹ صرف ہوئے۔ ساٹھ پر انہیں تقسیم کرنے سے دو ہزار دو سو پچاس گھنٹے برآمد ہوئے۔ روزانہ نو گھنٹے کام کیا جائے تو بیعت لینے پر دو سو پچاس دن صرف ہوئے۔ فرض کیجئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو غدیر خم کے اجاڑ مقام پر خیمے میں بٹھا کر اور لوگوں کو ان کی بیعت کا پابند فرما کر خود مدینہ تشریف لے گئے ہوں تو مدینہ میں واپسی پر ۸۱ ویں دن آپ نے رحلت فرمائی لیکن حضرت علیؓ اس کے بعد بھی (۲۵۰-۸۴) = ۱۶۶ دن تک اسی کام میں مصروف رہے، کیونکہ مدینہ میں ۲۲ ذی الحجہ کو پہنچے ہوں تو ۱۸ ذی الحجہ کے بعد ۲۱ ذی الحجہ تک تین دن اور جمع ہوئے تو کل تعداد ۸۱+۳=۸۴ دن ہوئی۔ جب فارغ ہو کر حضرت علیؓ مدینہ پہنچے ہونگے تو پتہ چلا ہوگا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو کوئی چھ ماہ پہلے رحلت فرما چکے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے بیٹھے ہیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلیفہ بننے کے تقریباً چھ ماہ بعد حضرت علیؓ نے بھی (اس مفروضہ صورت حال میں) ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔ اس مفروضے میں دیگر جو پیچیدگیاں سامنے آتی ہیں انہیں یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ الغرض صحیح صورت حال یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے فراغت کے بعد واپسی کے سفر میں راستے میں کہیں بھی معمول سے زیادہ طویل قیام نہیں فرمایا۔ اور یوم عرفہ پر آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ کے نزول کے بعد حجۃ الوداع سے واپسی پر مدینے میں ۸۱ ویں دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے۔

۱۰۶۔ البدایۃ والنہایۃ ۵/۲۴۳

۱۰۷۔ ایضاً ۵/۲۴۴۔۲۴۵